القول الصواب فی معنی الجہاد (مختصر)

لفظِ "جہاد"

لغوی ومجازی، اصطلاحی وشرعی معنی

"الجہادُ" لغۃً جہد ومشقت اٹھانا اصطلاحاً وشرعاً: کفار سے قتال میں مشقت اٹھانا	☆ابن حجر عسقلانیؒ ☆مُلّا علی قاریؒ ☆حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ ☆حضرت مفتی رشید صاحب لدھیانوی ☆حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ☆حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب ☆حضرت مفتی سعید پالنپوری صاحب

عبداللہ بن المبارک کو حضرت سفیان بن عینیہ رحمہ اللہ کی نصیحت " اذا رأیت الناس قد اختلفو فعلیک بالمجاهدین و اهل الثغور فان الله تعالٰی یقول لَنَھْدِیَنَّھُمْ" (القرطبی) لوگوں میں باہمی اختلاف کے وقت مجاہدین اور محاذوں پر برسرِ پیکار لوگوں کے ساتھ ہو جانا۔	مرزا غلام احمد قادیانی کا اعتراف: "میں نے ممانعت جہاد پر اتنے رسائل اور کتابیں لکھی ہیں کہ پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں۔ (دعوت جہاد، ص۴۲) جہادِ نفس کے بغیر کفار سے جہاد ممکن ہی نہیں۔ (حضرت گنگوہی الکوکب ۱/ ۴۲۵) خود فیصلہ کیجیے! دونوں مل کر جہادِ اکبر ہوگا یا تنہا ایک؟ (مؤلف کتاب)

مؤلف
مفتی ابواُسامہ قاسمی فاضل دارالعلوم دیوبند

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
تقریظ جناب حضرت مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب مدظلہ العالی	۲
تقریظ حضرت مولانا عبدالحمید صاحب مدظلہ العالی	۳
تقریظ جناب حضرت مولانا شفیق احمد بستوی مدظلہ العالی	۷
حضرت اقدس جناب حضرت مولانا طلحہ السیف کا مفصل و مدلل جوابی مکتوب گرامی	۸
محدثین کرام کا طرزعمل ملاحظہ ہو	۱۳
پیش لفظ از: مؤلف	۱۵
رسالہ ہٰذا کے تحریر کرنے کے اسباب وعوامل	۱۶
اعتراضات کا علمی جائزہ از: مولانا الیاس گھمن مقصود کے لیے کافی تھی مگر	۱۸
جہاد کا اطلاق عمومی بلاشک تسلیم ہے مگر احکام کا مدار حقیقت شرعیہ پر ہے	۱۹
فعل ثواب پر عبادت کا اطلاق حقیقت شرعیہ کو نہیں بدل سکتا	۲۰
امت مسلمہ کو جہاد سے دور رکھنے میں خود اپنوں کا کردار وجوہات	۲۲
اکابر ثلاثہ کے فیض صحبت کا اثر افراد وتفریط سے طبیعت میں بیزاری	۲۶
جمع نصوص سے زیادہ اہم فہم نصوص میں اسلاف پر اعتماد ہے	۲۷
دینی وشرعی اور اسلامی اصطلاحی "جہاد" کفار ومشرکین سے صرف قتال کا نام ہے	۲۹
مذکورہ بالا دعوے پر دلائل	۳۰
جہاد سے متعلق امر کے صیغے	۳۱
جہاد کے متعلق ماضی کے صیغے	۳۲
جہاد سے متعلق مضارع کے صیغے	۳۴

جہاد سے متعلق اسم فاعل کے صیغے	۳۵
جہاد سے متعلق مصدر کے صیغے	۳۶
آیات قرآنیہ سے مفسرین کے اقوال کی روشنی میں دلائل	۳۷
وہ آیات جن سے بعض حضرات اسلامی لفظ جہاد کے معنی میں عموم سمجھتے ہیں	۳۹
آیت نمبر (۱) یَاایہا النبی جاھد الکفار و المنا فقین...	۳۹
دیکھئے عہد نبوت کا واقعہ	۴۲
جہاد سے مراد: کفار سے جنگ	۴۳
آیت نمبر (۲) "وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ"	۴۳
آیات مبارکہ کی تفسیر میں دوسرا قول	۴۵
ہجرت اور جہاد	۴۶
آیت نمبر (۳) فلا تطع الکافرین و جاھد ھم بہ جھادا کبیرا	۴۷
مشرکین کی اپنے دین کے لیے کوشش کو لفظ جہاد سے تعبیر کیا جانا جہاد نہ ہوگا	۴۸
آیت نمبر (۴) ومن جاھد فانما یجاھد لنفسہ	۵۰
آیت نمبر (۵) والذین جاھدو افینا لنھد ینھم سبلنا	۵۱
آیت نمبر (۶) یجاھدون فی سبیل اللہ ولایخافون لومۃ لآئم	۵۳
آیت نمبر (۷) فلولا نفر من کل فرۃ منھم طائفۃ	۵۶
تنبیہ	۵۸
اصطلاح شریعت میں ہر عبادت کا اپنا ایک شرعی اصطلاحی مفہوم ہے	۵۸
جہاد اور لغت عرب	۶۲
احادیث مبارکہ کی روشنی میں جہاد کے معنی کا تعین	۶۶
اقوال محدثین کرام و اکابرینِ عظام	۶۷

فائدہ ۶۹
حضرت مفتی سعید صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا عمر پالنپوری رحمہ اللہ کی باہمی خط وکتابت ۷۶
جہاد کی انواع ثلاثہ اوران کا صحیح مطلب/ دھوکہ نہ کھایئے! ۷۶
فی سبیل اللہ کے معنی پر ایک مفصل اور جامع مضمون ۷۸
سبیل اللہ کی تحقیق ۷۹
بعض احادیث شریفہ میں جہاد کا اطلاق دیگر دینی کاموں پر اور صحیح توجیہ وتشریح ۸۱
حدیث شریف (۱): المجاھد من جاھد نفسه فی طاعة الله ۸۳
فائدہ جلیلہ (جہاد بالنفس کی حقیقت اور ایک مغالطہ) ۸۶
جہاد اصغر واکبر کی تحقیق وتفصیل ۸۸
مضمون ہذا سے متعلق ایک تمہیدی پس منظر ۸۸
مجاہدین وقائدین کی قرآنی تقسیم ہمارے دعوے کی واضح دلیل ۹۳
ایک انوکھی اور عجیب وغریب تشریح از استاد محترم ۹۴
روایت بالا سے متعلق مزید تفصیل ملاحظہ ہو ۹۶
حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ارشاد ۹۹
ایک یادداشت از حضرت مولانا الیاس صاحب از "اعتراضات کا علمی جائزہ" ۱۰۰
جہاد اکبر ۱۰۱
حدیث (۳): ان أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر ۱۰۳
حدیث (۴): "... أحيّ والداک قال نعم قال ففيهما فجاهد" ۱۰۵
خلاصۂ کلام ۱۰۸
ہمارے اکابر ۱۰۸

حدیث (۵) "جهاد کن حج مبرور"	۱۱۰
حج اور جہاد میں مناسبت	۱۱۲
ایک اہم ترین سوال	۱۲۲
ایک لمحہ فکریہ: دعوت فکر ونظر از احقر	۱۲۴
کیا یہ دینی چالیس اعمال کیا جہاد اور ان کے کرنے والے مجاہدین ہیں؟	۱۲۴
ایک دن میں کئی حج کیجئے اور پورا قرآن حفظ کیجئے	۱۲۹
اگر جہاد کا اطلاق عمومی ہو تو کیا نقصان ہے؟	۱۳۱
جہاد کے موضوع پر علماء کی تصنیفات	۱۳۳
احقر کی نگاہ میں اسلامی تاریخ میں جماعت تبلیغ کی دینی خدمات بے مثال ہیں	۱۳۷
دعوت وتبلیغ کی طرح نبی ﷺ کے کام کی مختلف شکلیں	۱۳۸
تبلیغی جماعت	۱۴۱
میری مسلمانوں بالخصوص علماء سے ایک درمندانہ اپیل	۱۴۳
قرآن وسنت اور کلام سلف میں دعوت عمومی معنی میں ہے	۱۴۴
قتال سے پہلے دعوت کا حکم؟ اور کیا وہ یہی دعوت ہے؟	۱۴۵
ہر ہر فرد کو دعوت دینا اور اس کا حکم	۱۴۸
دعوت فرض دنیا میں ہر ہر فرد کو پہنچ چکی ہے	۱۴۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

جناب حضرت مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب مدظلہ العالی

خلیفہ ومجاز حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم............ امابعد:

میرے عزیز مکرم مولوی مفتی محمد ابواسامہ قاسمی سلّمہٗ نے جس موضوع سے متعلق رسالہ ترتیب دیا ہے اور اس کا نام ''القول الصواب فی معنی الجہاد'' رکھا ہے۔ احقر نے اِس رسالے کے چند اقتباسات مختلف جگہوں سے پڑھے تو یہ اندازہ ہوا کہ جس موقف کو اس کتاب کے اندر پیش کیا گیا ہے وہی ہمارے تمام علماء اہل السنۃ والجماعۃ کا سلفاً وخلفاً مسلک رہا ہے۔اور جہاد کے جس معنی پر گفتگو کی گئی ہے درحقیقت وہی اُس کے شرعی واصطلاحی معنی ہیں۔اور چونکہ احکام شرعی اصطلاحی معنی پر مرتب ہوتے ہیں اس لیے مطلق جہاد کا لفظ بولنے کی صورت میں یہی مفہوم مراد ہوگا۔جیسا کہ اسی مضمون کو رسالے کے اندر ماشاءاللہ مختلف تفاسیر اور شروحِ احادیث سے عبارات نقل کر کے مدلل کیا گیا ہے۔

بعض حضرات یا تو کسی کو خوش کرنے کے لیے یا مخلص ہونے کے باوجود کسی اور مقصد و ارادے سے ایسی توجیہات وتاویلات کرنے لگتے ہیں جو تحریف کے قریب قریب پہنچ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینِ مستقیم پر اہل السنۃ والجماعۃ کے طریق کے مطابق قائم ودائم رکھے اور کج فہمی اور دین کے کسی بھی معاملے میں افراط وتفریط سے بچائے۔اور اللہ تعالیٰ اس رسالے کو اور اس کے لکھے جانے کے مقاصد کو اپنے فضل وکرم سے پورا فرمائے۔مؤلف رسالہ مفتی محمد ابواسامہ قاسمی سلّمہٗ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔رضائے خالق اور نفع خلق کا ذریعہ بنائے۔وماتوفیقی الا باللہ۔

(حضرت مولانا شاہ حکیم) محمد مظہر عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

جناب حضرت مولانا عبدالحمید صاحب مہتمم دارالعلوم آزادول مدظلہ العالی
خلیفہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم

امابعد: احقر نے کتاب ''القول الصواب فی معنی الجہاد'' کومختلف مقامات سے دیکھا اور بعض مقامات کو بغور پڑھا تو یہ اندازہ ہوا کہ مولف کتاب جناب مولانا مفتی ابواسامہ قاسمی نے اس کتاب کی ترتیب میں دو باتوں کا بہت ہی خصوصیت کے ساتھ التزام واہتمام کیا ہے جن کو احقر بہت ہی اہم اور ضروری سمجھتا ہے:

اول یہ کہ اپنے موقف اور نظریہ پر جو دلائل قرآن وحدیث سے ذکر فرمائے ہیں ان میں اپنی جانب سے کچھ پیش نہیں فرمایا بلکہ سب کچھ اپنے اسلاف متقدمین ومتاخرین علمائے ربانیین بالخصوص اپنے علماء واکابر دیوبند کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔آیات قرآنیہ کی تفسیر کا معاملہ ہو یا احادیث نبویہ کی تشریح ہو سب کچھ اپنے اکابر پر اعتماد کرکے لکھا ہے، نہ کہ اپنی فہم وسمجھ پر جس کے نتیجے میں پوری کتاب کے اندر اعتدال پسندی اور حق پرستی کا عنصر صاف نظر آرہا ہے اور پوری کتاب افراط وتفریط سے خالی مضامین سے آراستہ ومزین ہے۔

دوم: دوسری اہم ترین بات جو کتاب کی ترتیب میں ملحوظ رکھی گئی ہے وہ یہ کہ اپنے مسلک وموقف پر دلائل نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ ذکر کرکے ان کو اپنے مدعا پر چسپاں کرکے دکھایا ہے، کیوں کہ نصوص سے دلائل پیش کرنا جتنا اہم اور ضروری ہے اس سے کئی گنا زیادہ اہم نصوص فہمی ہے، یہی وجہ ہی کہ جتنے فرقے اسلام کے نام پر وجود میں آئے ہیں ان کے پاس دلائل قرآن وسنت کی کمی نہیں ہوتی، ہاں جس چیز کی کمی ہوتی ہے وہ ان کے معانی ومطالب کو صحیح سمجھنا اور اپنے موقف پر صحیح تطبیق دینا ہوتا ہے۔اور یہی وہ چیز ہے جس کا

فقدان تمام باطل فرقوں کی گمراہیوں کا اصل سبب ہوتا ہے، خود مسئلہ ہذا سے متعلق حال ہی میں لکھی ہوئی ایک مفصل تحریر احقر کی نظر سے گزری جو اپنے اسلاف کی ایسی عبارات سے بھری ہوئی ہے جن میں اصطلاحا جہاد کا معنی صرف کفار سے قتال کو کہا گیا ہے اور جب بات یہ ہے تو پھر عرف شریعت و دین میں جب یہ لفظ بولا جائے گا تو بالکل واضح سی بات ہے کہ اس کا یہی معنی و مفہوم مراد ہوگا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ آج تک تمام کتب حدیث وفقہ میں جب بھی ابواب الجہاد کا لفظ آتا ہے یا اسلامی تاریخ کی کتابوں میں جہاد یا مجاہدین کا تذکرہ ہوتا ہے تو وہاں کافروں سے جنگ کرنا اور آپس میں قتل وقتال ہی کا ذکر ہوتا ہے، ٹھیک جس طرح کہ صلاۃ وزکوۃ اور حج وصوم کے الفاظ کا معاملہ ہے، یہاں تک کہ کافروں اور دشمنوں کے یہاں لفظ جہاد اور مجاہدین سے مسلمانوں کا وہ طبقہ سمجھا جاتا ہے جو ان سے میدان جنگ میں برسر پیکار ہے اور ان کے الفاظ میں جہاد مسلمانوں کی مقدس جنگ کو کہتے ہیں، جس کے لیے انگلش کے الفاظ (Holy war) استعمال ہوتے ہیں۔

دراصل حقیقت یہ ہے کہ جب ہم اسلامی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ دشمنوں نے مسلمانوں کے دلوں سے جذبۂ جہاد نکالنے کے لیے اور اس امت کو ایک بے جان جسم بنا دینے کے لیے خود ہم مسلمانوں بلکہ مسلمانوں کے خواص میں اپنے ایجنٹوں کا جال بچھا ڈالا ہے اور ہمیشہ سے اہل حق اپنی غیبی تائید الٰہی اور خصوصی نصرت خداوندی سے ایسے چھپے اسلام دشمن حضرات کا پردہ چاک کرکے ان کو امت مسلمہ کے سامنے لاتے رہے اور ان کی سازشوں اور فتنہ پردازیوں سے اس امت مسلمہ کو بچاتے رہے اور اس طرح دین کی یہ کشتی ہزاروں طوفانوں اور مخالف سمت ہواؤں میں بھی اپنی منزل مقصود کی طرف بخوبی رواں دواں ہے، ورنہ اب تک دین کی صحیح شکل وصورت نامعلوم کیا سے کیا ہو چکی ہوتی۔

چنانچہ ایک موقعہ پر مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ: ”میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر

کتابیں اور اشتہارات شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں''۔(تریاق القلوب،ص۲۵،دعوت جہاد،ص۴۲)

ایک موقع پر لکھتا ہے کہ:

''بعض احمق و نادان یہ سوال کرتے ہیں کہ اس گورنمنٹ سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ سو یاد رہے کہ یہ سوال ان کا نہایت حماقت کا ہے، کیوں کہ جس کے احسانات کا شکر کرنا عین فرض اور واجب ہے اس سے جہاد کیسا''۔(شہادت القرآن،ص۸۶،دعوت جہاد ۴۲)

اور اس قسم کی بے شمار عبارتیں اپنوں کی اور غیروں کی سامنے آتی رہتی ہیں جن کا بنیادی مقصد جہاد یعنی قتال کفار کا خاتمہ ہوتا ہے اور جہاد کے لیے ایسی ایسی شرطیں اپنے بیانات اور اپنی تحریرات میں ذکر کرتے ہیں جو صرف فقہائے کرام نے اقدامی جہاد کے لیے ذکر کی ہیں اور اس طرح خلاصہ یہ نکالتے ہیں کہ لہٰذا یہ وقت جہاد کا وقت نہیں ہے۔

بحر حال میں امید کرتا ہوں کہ رسالہ ہذا ''القول الصواب'' کافی حد تک اسی مسئلہ کی وضاحت کے لیے کافی ہے کہ اسلام کی اندر مسلمانوں میں جب یہ لفظ استعمال ہوگا تو اس کا مطلب جہاد ہی ہوگا اس کی علاوہ اور کچھ نہیں۔

رہ گیا دوسرے معانی پر اس کا اطلاق تو اس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے مگر یہ اطلاق مجازاً اور حکماً ہے کہ عنداللہ اس پر جہاد کا اجر و ثواب حاصل ہو جائے گا مگر جہاد کے جملہ احکام اس پر جاری کرنا یا اس کو مجاہد کہنا یہ زیادتی کی بات ہے۔

جیسا کہ مؤلف کتاب نے خود حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کا قول" من جهز غازيا فقد غزا " کے تحت صفحہ ۵ پر ذکر کیا ہے:''کیا کوئی حدیث پر ادنیٰ نظر رکھنے والا بھی اس حدیث سے یہ سمجھے گا کہ کسی مجاہد کی مدد کرنا یا اس کے اہل و عیال کی خبر لینا حقیقی جہاد ہے''۔

یا قرآن کریم کے اندر ”وإن جٰهداک علی أن تشرک بي ما لیس لک به علم“ کی آیت سے یہ کہنا جائز ہو جائے گا کہ شرک پر والدین کا اپنی اولاد کو مجبور کرنا بھی جہاد ہے، کیوں کہ وہاں بھی جہاد و مجاہدہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ بالکل ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، تو پھر آخر کسی جگہ پر اگر شریعت کے اندر قتال الکفار کے علاوہ اس لفظ کا استعمال ہو گیا ہے تو آخر اس کام کو جہاد کس طرح کہہ دیا جائے گا۔

اگر یہ تحریف نہیں ہے تو آخر کیا ہے؟

اگر یہ تفسیر قرآن کے وقت جہاد کی تفسیر بالرای نہیں ہے تو کیا ہے؟

جیسا کہ دارالعلوم دیو بند کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوری نے ترمذی کی شرح میں یہی بات لکھی ہے۔ اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمیں فہم سلیم اور علم نافع عطا فرمائے اور مؤلف کتاب کو احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے ہمیشہ ہمیشہ قبول فرمائے اور اس کتاب کو نفع خلق اور رضائے خالق کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

(جناب مولانا) عبدالحمید اسحاق صاحب، (دامت برکاتہم)

مہتمم دارالعلوم آزادول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

جناب حضرت مولانا شفیق احمد بستوی مدظلہ العالی فاضل دار العلوم دیوبند و شیخ الحدیث جامعہ خدیجۃ الکبریٰ کراچی، پاکستان

خلیفہ ومجاز عارف باللہ حضرت اقدس حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم.......... امابعد:

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ دین کا یہ علم ہر نسل کے معتدل وانصاف پسند لوگ حاصل کریں گے جو اس میں ہونے والی باطل پرستوں کی تاویلیں، گمراہوں کی ایک سرقہ کلامی اور غلط باتوں کا ازالہ کریں گے اور اس دین کے علم کو گویا بالکل صاف ستھرا کر کے اس کے صحیح قالب اور درست شکل وصورت میں اُمت کے سامنے پیش کریں گے۔

یہ اہم فریضہ بحمد اللہ اُمت کے ہر دور میں اللہ کے نیک ومخلص اہلِ علم بندوں نے انجام دیا ہے اور زبان وقلم سے اور فکر وعمل سے اس فریضہ کی انجام دہی اللہ کی محض توفیق سے آج بھی جاری ہے۔

پیش نظر رسالہ حضرت اقدس مولانا مفتی ابواسامہ صاحب قاسمی مدظلہ کی قلمی کاوش ہے جو درحقیقت اس فریضہ کی انجام دہی کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی افادیت کو عام وتام فرمائے اور ایسے کج فکر لوگ جو اپنے ماحول و مادہ پرست لوگوں کی ہمنوائی کرتے ہوئے یا ازخود اندھی نادانی کرتے ہوئے فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

"من قال فی القرآن برأیہٖ فلتبوأ مقعدہ فی النار" اور فرمان رسول: "من قال عنی مالم اقل فلیتبوأ مقعدہ فی النار" کا مصداق بن کر جہنم کے سدھارنے پر تلے ہوئے ہیں، وہ بھی اس سے منتفع ہو کر اپنا فکری قبلہ درست کریں۔ وماذالک علی اللہ بعزیز۔

دعا ہے کہ اللہ ربّ العزت اس رسالہ کو حضرت مؤلف مدظلہ اور جملہ معاونین کے لیے میزان حسنات میں شامل فرما کر ذخیرۂ آخرت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وصلی اللّٰہ علٰی خیر خلقہٖ محمد وآلہ وصحبہٖ اجمعین

احقر شفیق احمد قاسمی بستوی عفی عنہ، کراچی

گرامی قدر جناب حضرت مولانا طلحۃ السیف صاحب حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے، ایک طویل مدت سے احقر کا آپ سے غائبانہ بڑا عقیدت کا تعلق ہے اور مختلف اخبار ورسائل کے ذریعے آپ کے قیمتی، علمی اور دقیق معلومات پر مشتمل مضامین وقتاً فوقتاً پڑھنے کی سعادت حاصل ہوتی رہتی ہے، جن کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالی نے آں جناب کو بڑے ہی علمی وعملی کمالات سے نوازا ہے اور ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ جس مضمون پر آں محترم کا قلم چل جاتا ہے تو اس کی پوری تحقیق وتدقیق ہو جاتی ہے۔

بہر اس وقت آں محترم کو ایک خاص معاملہ کی وجہ سے کچھ زحمت وتکلیف دینی ہے اور وہ یہ کہ یہاں ہمارے ملک جنوبی افریقہ میں بعض اہل علم احباب علمائے کرام کے درمیان لفظ ''جہاد'' کے معنی کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے جس کا نتیجہ ہم جیسے کم علم حضرات پر لازمی طور پر پڑتا ہے، یہاں تک کہ بسا اوقات اسی بنیاد پر باہمی اختلاف بھی دیکھنے میں آتا ہے، خاص طور پر اس موقع پر ایک مفصل تحریر سامنے آئی جس میں بڑے دلائل کے ساتھ جہاد کے معنی میں عموم ذکر کر کے مولف کتاب نے اس بات کو پیش کیا ہے کہ دین کے تمام ہی کام جہاد کہلاتے ہیں اور موجودہ زمانے کی جماعت تبلیغ کا کام بڑا جہاد ہے اور اس میں حقیقت ومجاز کی کوئی بات نہیں ہے، سبھی دین کے کاموں کے کرنے والوں کو مجاہدین اور ان کے کاموں کو جہاد کہتے ہیں۔

احقر اس خط کے ساتھ ساتھ آں محترم کی خدمت میں اس تفصیلی تحریر کو بھی بھیج رہا ہے، تا کہ پوری تحریر کا اچھی طرح مطالعہ کر کے آں جناب اپنے علمی تحقیقی مزاج کے مطابق جو بھی حق سمجھتے ہوں بالتفصیل دلائل کے ساتھ تحریر فرما دیں، تا کہ احقر اور احقر کے دیگر علمی احباب کے لیے وہ خط باعث تسلی وتشفی ہو اور صحیح حقیقت واضح ہو کر سامنے آ جائے۔ میں امید کرتا

ہوں کہ جلد ہی اپنی مشغولیات کی کثرت کے باوجود مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر آں جناب کی طرف سے احقر کو جواب عنایت کیا جائے گا۔ اگر پوری تحریر کے اندر ذکر کردہ تمام دلائل پر کچھ لکھنے کا موقع نہ ہو تو کم سے کم جہاد کے معنی سے متعلق ضرور ایک تفصیلی و تحقیقی مضمون ارسال فرما دیں۔ بڑی ہی نوازش ہوگی اور عنداللہ ماجور ہوں گے۔ والسلام

محمد عبداللہ میمن، مقیم حال جنوبی افریقہ

حضرت اقدس جناب حضرت مولانا طلحہ السیف کا مفصل و مدلل جوابی مکتوب گرامی

جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے، آپ کا طویل خط موصول ہوا اور ایک تفصیلی تقریباً پچاس صفحات کی تحریر بھی موصول ہوئی، حقیقت حال یہ ہے کہ احقر اپنی مقامی بے شمار مشغولیات میں مصروف ہونے کی وجہ سے مکمل تحریر سے متعلق کچھ لکھنے سے معذور ہے، گو کہ اس کے لیے صرف ایک ہفتے کا وقت کافی ہے، مگر ابھی سردست اس تحریر کے اہم اور بنیادی جز یعنی جہاد کے معنی اصلی و غیر اصلی حقیقی و غیر حقیقی وغیرہ سے متعلق مختصراً ایک تحریر روانہ کر رہا ہوں، امید ہے کہ اسی تحریر سے باقی باتوں کا سمجھنا بھی ممکن اور آسان ہو سکے گا، کیوں کہ باقی تمام باتیں اسی اصولی اور بنیادی بات پر متفرع ہیں؛ اس لیے جہاد کا اصل معنی قرآن وسنت اور چاروں ائمہ کی فقہ کی روشنی میں لکھ کر آپ کو ارسال کر رہا ہوں۔ والسلام

خادم دین: (مولانا) طلحہ السیف (حفظہ اللہ)

”الجہاد“ کے اصل معنی قرآن مجید میں اللہ تعالی نے جو احکام مسلمانوں پر فرض فرمائے ہیں وہ پانچ ہیں:

۱- الصلاۃ : جسے اردو میں نماز کہتے ہیں۔۲- الزکوۃ۔۳- الصوم: جسے اردو میں روزہ کہتے ہیں۔۴- الحج۔۵- الجہاد: یعنی قتال کرنا اپنی جان سے یا مال سے۔

یہ جتنے بھی الفاظ ہیں ان سب کے معنی متعین ہیں اور احکام، فضائل، مسائل وعیدیں سب کا تعلق اسی معنی سے ہے۔ امت مسلمہ کا اس بارے میں کوئی اختلاف بھی نہیں، مگر ’’جہاد‘‘ کے بارے میں بعض لوگوں نے ایک الگ سے رائے قائم کر لی ہے اور آج کل پھر اس کا پرچار زوروں پر ہے۔

ان حضرات کا خیال ہے کہ ’’جہاد‘‘ کے کوئی ایک معنی متعین نہیں ہیں، بلکہ محنت اور مشقت والے ہر کام کو چونکہ ’’جہاد‘‘ کہا جاسکتا ہے اس لیے ہر وہ کام کر لینے سے فریضہ جہاد ادا ہو جاتا ہے اور فضائل بھی مل جاتے ہیں۔کیا واقعی ایسا ہے؟؟

محکم اور پختہ شرعی اصولوں کی رو سے ہرگز نہیں۔ ہاں ’’بہانے کی حد تک یہ بات درست ہے اور ’’جہاد‘‘ کے باب میں بہانے بنانے والوں کے ذکر سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔

دلیل کے طور پر صرف یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ عربی زبان میں جہاد کے معنی صرف لڑنا نہیں، بلکہ محنت اور مشقت کا ہر کام ہے اور قرآن مجید چوں کہ عربی زبان میں نازل ہوا اس لیے اس میں جہاں جہاں بھی لفظ جہاد آیا ہے اس کا معنی عام ہے۔آیئے اس بات کو شریعت کے ایک مسلم اصول کی رو سے سمجھ لیں۔

ہر لفظ کے چار طرح کے معنی ہوتے ہیں:

۱- معنی لغوی: کسی بھی لفظ کے وہ معنی جس کے اظہار کے لیے یہ لفظ بنایا گیا، مثالیں روز مرہ کے کلام میں لاکھوں ہیں اور ہر زبان میں ہیں۔

۲- معنی شرعی: ایک لفظ کے معنی لغوی کے علاوہ وہ معنی جسے شریعت یعنی قرآن وحدیث میں ذکر کیا گیا ہو، مثال اس کی تمام فرائض اسلام ہیں، مثلا صلاۃ عربی زبان میں دعا کو کہتے

ہیں، اسی لیے درود شریف کو بھی صلاۃ کہا جاتا ہے کہ اس کا معنی نبی کریم ﷺ کے لیے رحمت کی دعا کرنا ہے اور اس لفظ کی نسبت اللہ تعالی کی طرف ہو تو اس کا معنی ہے رحمت نازل کرنا۔

صوم عربی زبان میں کسی کام سے رک جانے کو کہتے ہیں، خواہ کسی بھی کام سے رکنا ہو، چلنے سے رکنا، بات کرنے سے رکنا، کھانے پینے سے رکنا وغیرہ۔ زکوۃ کے معنی پاک کرنے کے آتے ہیں، خواہ کسی چیز کا پاک کرنا۔ اور حج کے معنی قصد وارادے کے ہیں۔ شریعت نے ان الفاظ کو بعض مخصوص عبادات کا نام قرار دے کر ان کے معنی میں خاص کر دیا۔ صلاۃ نام رکھ دیا اس عبادت کا جو مخصوص افعال کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، تکبیر تحریمہ سے شروع اور سلام پر ختم ہوتی ہے۔ صوم نام رکھا گیا: رمضان المبارک کے ایام میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک بھوکے پیاسے رہنے اور بیویوں کی قربت سے اجتناب کرنے کا۔

زکوۃ سال گزر جانے پر اپنے مال کے ایک متعین حصے کو اللہ تعالی کے نام پر خرچ کرنے کو کہا گیا۔

حج بیت اللہ کی طرف سفر اور وہاں مخصوص افعال کی ادائیگی کے معنی میں متعین کر دیا گیا۔ اب یہ ان الفاظ کے شرعی معنی ہوئے، اسلامی فقہ کا مسلمہ اور غیر اختلافی اصول یہ ہے کہ جب کسی لفظ کے شرعی معنی آجائے تو وہی اس لفظ کے حقیقی معنی ہوتے ہیں اور قرآن وحدیث میں جب بھی یہ لفظ وارد ہو تو اسی معنی میں سمجھا جاتا ہے، نہ کہ اپنے لغوی معنی میں، اس لفظ سے متعلق نازل ہونے والے احکام، فضائل، مسائل، مبشرات اور وعیدوں کا تعلق اسی معنی سے ہوتا ہے، نہ کہ عمومی لغوی معنی سے، فریضے کی ادائیگی بھی اسی معنی پر عمل کرنے سے ہوتی ہے نہ کہ لغوی معنی پر عمل کر لینے سے، اب دعا کرنے اور درود پڑھنے سے اقیموا الصلاۃ کے حکم پر عمل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی نماز کی کوئی فضیلت دعا و درود سے حاصل ہو سکتی ہے، حالانکہ لفظ صلاۃ کے ایک معنی پر تو دعا کرنے سے عمل ہو جاتا ہے۔

آیئے اس تناظر میں لفظ ''جہاد'' کا جائزہ لیتے ہیں۔ جہاد لغت میں کسی مقصد کے حصول کے لیے محنت اور کوشش کو کہتے ہیں، جب کسی مخالف فریق کے خلاف ہو ''ھـــو

استفراغ الوسع فی المدافعة بین الطرفین ولو تقدیرا" (لسان العرب)
قرآن مجید کی مکی سورتوں میں جہاد اسی معنی میں وارد ہوا ہے، حتی کہ ان آیات میں کافر کے عمل پر بھی جہاد کا اطلاق ہوا ہے:" **وإن جاهداک علی أن تشرک بی... الآیة.**
اگر کافر والدین زور ڈالیں کہ تو شرک کر میرے ساتھ) کافر والدین کے مومن اولاد کو شرک کی طرف بلانے مین زور صرف کرنے کو جہاد کہا گیا۔ اس معنی میں جہاد کسی عبادت کا نام نہیں تھا۔ مدینہ منورہ میں جہاد کا لفظ ایک فریضے کے بیان کے طور پر ہوا اور ایک عبادت کا نام رکھ دیا گیا، ایک ایسی عبادت جسے انسانوں کی دیگر عبادات سے افضل قرار دیا گیا۔

اس کی طرف شدت سے بلایا گیا۔

آنے والوں کے لیے خوب انعامات کا اعلان ہوا۔

اور نہ آنے والوں پر سخت وعید اتاری گئی۔

اب یقیناً یہ لفظ اپنے عام لغوی مفہوم میں نہیں رہا، بلکہ صلاۃ، زکوۃ، حج اور صوم کی طرح ایک خاص معنی میں ہو گیا۔ اب اس کے احکام مسائل وفضائل، مبشرات ووعیدیں تمام تر اسی معنی سے متعلق ہوں گے۔ وہ معنی کیا ہیں؟ احکام شریعت کو امت کے لیے کھول کر بیان کرنے والے فقہائے کرام سے پوچھیں تو وہ تمام تر اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ جہاد کے شرعی معنی قتال میں محنت صرف کرنا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے چاروں فقہی مسالک کی معتبر کتب سے جہاد کے معنی:

جہاد کی تعریف فقہ حنفی میں: **الجهاد بذل الوسع والطاقة بالقتال فی سبیل الله عز وجل بالنفس والمال واللسان وغیر ذلک** یعنی قتال فی سبیل اللہ میں اپنی جان، مال اور زبان اور دوسری چیزوں سے بھر پور کوشش کرنے کو جہاد کہتے ہیں (البدائع والصنائع)

٢ –**الجهاد دعوة الکفار إلی الدین الحق وقتالهم إن لم یقبلوا.** یعنی جہاد کے معنی کافروں کو دین حق کی طرف دعوت دینا اور ان سے قتال کرنا اگر وہ دین حق کو قبول نہ

کریں۔(فتح القدیر)

جہاد کی تعریف فقہ مالکی میں: **قتال المسلم کافرا غیر ذی عهد لإعلاء کلمة الله.** یعنی جہاد کے معنی ہیں: مسلمانوں کا غیر ذی عہد کافروں سے اللہ تعالی کے دین کی سربلندی کے لیے قتال کرنا۔(حاشیۃ العدوی، الشرح الصغیر)

جہاد کی تعریف فقہ شافعی میں: **هو شرعا بذل الجهد فی قتال الکفار.** اور جہاد کے شرعی معنی: اپنی پوری کوشش کافروں سے قتال کرنے میں صرف کرنا۔(فتح الباری)

جہاد کی تعریف فقہ حنبلی میں: **الجهاد قتال الکفار.** جہاد کافروں سے لڑنے کو کہتے ہیں۔(المطالب لأولی النہی، فضائل جہاد ص ۱۲۷)

محدثین کرام کا طرز عمل ملاحظہ ہو

حضرات محدثین کرام اپنی کتب میں کتاب الجہاد کے عنوان کے تحت وہ احادیث ذکر کرتے ہیں، جن کا تعلق حکم قتال سے ہے اور کسی محدث کا طرز عمل بھی اس کے خلاف نہیں، صحیح بخاری سے لے کر ایک آخری درجے کی کسی بھی حدیث کی کتاب تک۔

مفسرین کرام نے جہاد کس معنی میں سمجھا؟ تمام تر معتبر کتب تفسیر میں قرآن مجید کی مدنی آیتوں میں لفظ''جہاد'' کی تشریح قتال سے کی گئی ہے۔ اردو خواں حضرات ''فتح الجواد فی معارف آیات الجہاد'' امیر المجاہدین حضرت مولانا مسعود اظہر حفظہ اللہ تعالی میں درج حوالہ جات سے بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں، مزید آسانی درکار ہو تو ترجمہ شیخ الہند ملاحظہ کر لیں۔ جہاد کا ترجمہ تمام مدنی آیات میں لڑنے سے کیا گیا ہے۔ امت کے تین طبقات ہی ایسے ہیں جن کی رائے احکام شریعت کے باب میں معتبر ہے اور ان تینوں کا اتفاقی طرز عمل آپ کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ یوں کہنا کہ قتال بلاشبہ جہاد کے شعبہ جات میں سے ایک بڑا شعبہ ہے، لیکن جہاد کے معنی اسی کے لیے خاص نہیں، اس لیے قتال کے ترک سے پورے جہاد کا ترک لازم نہیں آتا، قرآن وحدیث اور فقہائے کرام کی تصریحات کے خلاف بات ہے۔

۱-قرآن مجید کی جن آیات میں مسلمانوں کو ترک جہاد پر سخت وعیدیں دی گئی ہیں ان وعیدوں کا مصداق جہاد کا کونسا شعبہ ہے۔

۲-صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کے برابر عمل کا سوال کیا، بخاری ومسلم دونوں میں روایت ہے۔ اگر دین مشقت والا ہر عمل جہاد تھا تو یہ کس عمل کی برابری کی خواہش میں سوال کیا گیا؟!

۳-سورت النساء اور سورت توبہ میں جہاد کرنے والے مسلمانوں کو دیگر تمام سے افضل قرار دیا درجہ اور مقام میں بھی اور اجر میں بھی، ان آیات میں جہاد کا کون سا شعبہ مراد ہے؟ اگر مسلمانوں کے ہر مشقت والے عمل پر جہاد کا اطلاق ہوسکتا ہے تو کونسا مسلمان غیر مجاہد ہوا؟ پھر کون افضل اونچے درجے والا اور کون مفضول کم درجے والا؟

۴-امام سرخسی رحمہ اللہ نے المبسوط میں امت مسلمہ کا جہاد کے بارے میں جو اجماعی عقیدہ ذکر کیا ہے وہ یہ ہے: "الجهاد فريضة محكمة" یعنی جہاد ایک محکم فریضہ ہے۔ اس سے جہاد کا کونسا فرد مراد ہے؟ کیا ہر وہ عمل فرض ہے جس میں محنت ومشقت کے معنی ہوں؟ کیا امت مسلمہ کا کوئی ایک اہل علم بھی اس بات کا قائل ہے۔ بات طویل ہوجائے گی خلاصہ کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جہاد کے شرعی معنی قتال فی سبیل اللہ ہیں، جملہ فقہاء محدثین اور مفسرین اس پر متفق ہیں، شریعت کے مسلمہ اصولوں کی رو سے اس کے فضائل واحکام کا تعلق معنی شرعی ہی سے ہوتا ہے نہ کی معنی لغوی سے اور یہ اصول جس طرح صوم وصلاۃ اور حج وزکوۃ میں جاری ہے اسی طرح جہاد کے باب میں بھی لاگو ہوگا۔ اس لیے قرآن مجید کی مدنی سورتوں اور نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ میں جہاد عموما اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، اس کے معنی میں عموم کا قول قرآن وحدیث اور مسلمہ اصول دین کے خلاف ہے۔

وما علینا إلا البلاغ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

راقم سطو: احقر محمد طلحۃ السیف عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ از مؤلف

الحمد للّٰہ رَبّ العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیّدنا محمَّد والہ وصحبہ اجمعین

أما بعد: پیش نظر کتاب ''القول الصواب فی معنی الجہاد'' سے متعلق ضروری عرض یہ ہے کہ احقر کے دل میں بڑی مدت سے یہ تمنا تھی کہ اس موضوع پر کوئی مختصر سا رسالہ تحریر کیا جائے جس میں اس بات کو مدلل طور پر پیش کیا جائے کہ شریعت اسلامیہ میں جہاد کسے کہا جاتا ہے اور لفظ جہاد سے متعلق شرعی اصطلاحی معنی ومفہوم کیا ہے جس سے یہ بات واضح ہو جائے کہ سلف سے لے کر آج تک جب بھی مسلمانوں کے درمیان جہاد یا مجاہدین کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے کیا مراد ہوتی ہے اور اسلامی کتابوں میں جہاں جہاں محدثین وفقہاء کرام نے ابواب الجہاد ذکر فرمائے انہوں نے اس کے ضمن میں کس معنی ومطلب کو ذکر فرمایا گو کہ لغت کے اعتبار سے لفظ جہاد اور مجاہدہ اور فی سبیل اللہ بہت سے دینی کاموں کے لیے نصوص کے اندر استعمال کیا گیا ہے لیکن احقر کا مقصودِ تحریر اہلِ اسلام کے درمیان بولے جانے والے مطلق جہاد کے لفظ کی تشریح اور توضیح کرنا ہے۔

اور اس سلسلے میں پیش آنے والے شبہات واعتراضات کا مدلل اور مفصل جواب تحریر کر کے جہاد کی صحیح حقیقت کو واضح کرنا ہے تاکہ اپنے مسلمان بھائی اور بہت سے کم علم کم فہم حضرات جس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اس سے ان کو آگاہ کیا جا سکے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی ذمہ داری سے سبکدوش ہوا جا سکے۔ یہ خیال ایک مدت سے دل میں گذر رہا تھا اور اس سلسلے میں اپنے شاگردوں اور طالبعلموں کی طرف سے تقریباً ہر سال کچھ سوالات وجوابات کی نوبت بھی آتی تھی جس پر احقر قرآنی آیات اور احایث شریفہ کی روشنی میں سلف صالحین اور اپنے بزرگان دین کے اقوال پیش کر دیا کرتا تھا اور اس طرح ہوتے

ہوتے ایک مختصر سا مجموعہ احقر کے پاس جمع ہو چکا تھا جس میں کچھ کمی زیادتی کر کے طباعت کا خیال بھی بعض مرتبہ دل میں پیدا ہوا مگر اتنی شدید اور فوری ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے احقر اس کام سے رکا رہا اور بس زبانی طور پر طلباء کے سامنے بیان کرنے کو کافی سمجھتا تھا

رسالہ ہذا کے تحریر کرنے کے اسباب وعوامل

کہ اتنے میں ایک دن یہ صورت پیش آئی کہ ہمارے ایک عزیز طالب علم بڑی طویل اور مفصل تحریر احقر کے پاس لائے جو بظاہر اسی موضوع سے متعلق قرآن وسنت کے مضبوط دلائل سے مدلل تھی اور اس میں بالکل مکمل طور پر احقر کے اس موقف سے ہٹ کر دوسرے موقف ونظریہ کو پیش کیا گیا تھا اور بلا شبہ وہ تحریر صورتاً عربی واردو کے دلائل اور عبارات اور ان کے حوالہ جات سے اس قدر پُر تھی کہ پڑھنے والا یہی سمجھے گا کہ واقعی یہ موقف بالکل درست اور صحیح ہے، اوراس کے برخلاف سمجھنا اور بولنا جائز ہی نہیں۔

چنانچہ احقر نے اسی وقت ایک ہی نشست میں از اول تا آخر اس طویل تحریر کا مطالعہ کیا اور پھر از سرِ نو اپنے موقف پر غور وفکر کرنا شروع کیا اور اس سلسلے میں احقر جو کچھ دلائل کی روشنی میں سمجھا تھا کسی دوسرے کی علمی تحقیق پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے پہلے خود اپنے نقصان علم اور کوتاہی فہم کے احساس کی وجہ سے اسی پر ناقدانہ نظر ڈالنی شروع کی مگر بہت غور وفکر کرنے اور اس پوری تحریر میں ذکر کردہ دلائل پر گہری نظر ڈالنے کے بعد احقر اس نتیجے پر پہونچا کہ خود اس تحریر کے اندر جمع کردہ نصوص اور عبارتوں کا اکثر حصہ اسی موقف کی تائید کرتا ہے جو آج تک امت کے تمام سلف صالحین محدثین وفقہاء کرام اور اپنے علماء اکابرین دیوبند کا رہا ہے جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب احقر انہیں عبارات اور حوالوں سے امت کے اس متفق علیہ موقف کو اپنے اس رسالے میں دن کے اجالے کی طرح توفیق الٰہی اور فضل خداوندی سے واضح کر دے گا۔

دوسری چیز جو اس رسالے کی تصنیف کا باعث بنی وہ یہ کہ جب احقر اپنے طلباء کے

سامنے اس سلسلے میں گفتگو کرتا ہے تو وہ لوگ ذہنی طور پر شکوک وشبہات کا شکار ہوتے ہیں کیونکہ بعض حضرات کی طرف سے ان کو فقہ وحدیث کے درس کے دوران یہ سمجھایا اور بتایا جاتا ہے کہ:

''جہاد دین کے لیے کی جانے والی ہر کوشش اور دین کے کسی بھی حکم کو پورا کرنے کی جدو جہد کا نام ہے خواہ وہ کافروں سے لڑنا ہو یا دعوت وتبلیغ میں جا کر وقت لگانا ہو یا مسجد میں جا کر نماز پڑھنا اور وضو کرنا ہو۔''

جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ فقہ وحدیث کی تمام کتابوں کے جملہ ابواب شروع صفحات سے لے کر کتاب کے آخری صفحہ تک یعنی ابواب الطہارۃ سے ابواب المناقب کے ہر باب کو باب الجہاد کہنا چاہئے کیونکہ وہ سب ابواب دینی کاموں پر مشتمل ہیں اور ان کے کرنے والوں کو مجاہدین کہا جانا چاہیے۔ مثلاً: ایک شخص کا چھبیس رمضان المبارک کو نکاح ہوا اور مغرب کے بعد اس کی رخصتی ہوئی تو اس کو یہ کہنا غلط نہ ہونا چاہئے کہ اس نے دن بھی جہاد میں گزارا اور ستائیسویں پوری رات اپنے اہلیہ کے ساتھ مشغول رہ کر بھی بڑی عبادت ''جہاد'' میں گزاری کیونکہ وہ بھی عبادت اور دین کا حکم ہے اور ہر دین کے حکم کو پورا کرنے کا نام جہاد ہے اور باقی اس جیسی سینکڑوں مثالوں کو اسی پر قیاس کر کے اس موقف کے باطل اور غلط ہونے کو سمجھ سکتے ہیں، باقی تفصیلات رسالے کے اندر پڑھئے۔

تیسری چیز جس نے احقر کو اس رسالے کی ترتیب کے لیے جھنجوڑا وہ یہ ہے جب احقر نے اس موضوع سے متعلق یہ تفصیلی تحریر پڑھی تو قلب کو شدید رنج وصدمہ ہوا جس کا باعث یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی پوری مدنی زندگی کافروں سے جہاد یعنی قتال میں اس طرح گزری کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا غزوے میں شریک ہیں یا سرایا کو ترتیب دے رہے ہیں، پورا مدنی زندگی کا دور اس سے بھرا ہوا ہے اور جس قدر جوق در جوق کافروں کا اسلام میں داخل

ہونا اس مدنی زندگی کے جہاد یعنی قتال کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے اس کی مثال مکی زندگی میں موجود نہیں ہے، اس لیے احقر نے اس تحریر کو پڑھتے ہی یہ فیصلہ کیا کہ اس سے متعلق کچھ لکھنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک اُمتی ہونے کی وجہ سے لازمی اور ضروری ہو جاتا ہے اور اسی دن سے اس کے لکھنے کو اپنے اوپر ایک قرض تصور کرتے ہوئے اس انتظار میں تھا کہ اولین فرصت میں اس کو تحریر کروں گا۔ سو الحمدللہ! کراچی آمد پر کمپوز کرنے والوں کی سہولت میسر ہونے سے یہ کام آسان ہو گیا اور توکلا علی اللہ و مستعینا باللہ اس کام کو شروع کر دیا۔

''اعتراضات کا علمی جائزہ'' از: مولانا الیاس گھمن مقصود کے لیے کافی تھی مگر

اس مقام پر یہ ذکر کرنا از حد ضروری ہے کہ اس مختصر سے رسالے کو تحریر کرنے کے دوران احقر کو اس موضوع سے متعلق رفیق مکرم مناظر اسلام جناب حضرت مولانا الیاس گھمن صاحب کی ایک بڑی مدلل اور مفصل کتاب خاص اسی موضوع پر دست یاب ہوئی جس کا نام ''جہاد فی سبیل اللہ اور اعتراضات کا علمی جائزہ'' ہے۔ حضرت مصنف مدظلہ نے اس کتاب کے اندر مسئلہ ہذا سے متعلق ماشاءاللہ اس قدر جامع اور مفصل و مدلل گفتگو فرمائی ہے کہ درحقیقت اس رسالے کے بعد مجھ جیسے ناکارہ کو اس موضوع سے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس ہی نہیں ہوتی تھی، خاص طور پر جب کہ یہ کتاب اپنے مسلک دیوبند کے بڑے بڑے اکابر حضرات کی تقریظات سے پر ہے، جیسا کہ حضرت مولانا شیخ عبدالحفیظ مکی اور حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب، حضرت مولانا اسلم شیخو پوری اور حضرت مفتی ابولبابہ جیسی مشہور شخصیات کی تائید و تقریظ اس کتاب پر موجود ہے۔

لیکن چوں کہ ہمارے عزیز طالب علم جس تفصیلی تحریری مواد کو احقر کے پاس لائے تھے اس میں کچھ قرآن وسنت کے ایسے دلائل ذکر کیے گئے تھے کہ جن کی صحیح وضاحت کرنا اور ان کے جوابات لکھنا ناگزیر تھا اور وہ اس کتاب یعنی اعتراضات کے علمی جائزے میں مذکور نہیں

تھے،اس لیے بالآخر احقر کو اپنے عزیز طالب علم کے اصرار اور بعض خاص احباب کی دلی تمنا کی بنیاد پر قلم اٹھانا پڑا، تاکہ صرف زبانی افہام وتفہیم کے بجائے ان تمام آیات واحادیث کا صحیح مطلب باضابطہ تحریر میں آجائے اور تاکہ اس کا افادہ عام ہوسکے، مگر جب احقر نے اس موضوع سے متعلق لکھنا اور جمع کرنا شروع کیا تو اس طویل تحریر کے اندر ذکر کردہ مختلف قسم کے اختلافی ایسے مسائل مذکور تھے کہ جن کے متعلق قرآن وسنت اور اپنے اکابر کی صحیح آراء جمع کرنے میں تقریباً پانچ سو صفحات کا ذخیرہ اکٹھا ہوگیا جس پر اپنے اکابر ہندوپاک کے اساتذہ کرام اور درجنوں بڑے بزرگان دین کی تقریظ بھی لکھالی گئی مگر چوں کہ اس مرتبہ کراچی کا یہ قیام بہت مختصر تھا اور صرف ہفتہ عشرہ یہاں رہنے کا موقع ملا اس لیے اس تفصیلی تحریر کو کمپوز اور کتابت کرنے کا موقع نہ مل سکا، بس ضروری تقاضے اور خاص حالات کے پیش نظر جو اہم اور ضروری چیزیں تھیں ان کو اس مختصر سی تحریر میں جمع کردیا ہے۔

اور یہ ذکر نہ کرنا ناانصافی ہوگی کہ اس کتاب کی ترتیب میں احقر نے حضرت مولانا الیاس گھمن صاحب زید مجدہم کی کتاب سے بہت ہی استفادہ کیا، بلکہ بعض مقامات پر پوری کی پوری عبارتیں ان کی کتاب سے نقل کی ہیں، کیوں کہ وہ عبارتیں اپنے مقصود کی ادائیگی میں کافی ووافی تھیں۔ سو احقر نے اسی مناسبت سے اس کتاب کا نام ''القول الصواب فی معنی الجہاد (مختصر)'' رکھا ہے اور ان شاء اللہ جلد ہی حسب فرصت وضرورت دوسرا مفصل رسالہ مع تقریظات اکابر اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں باضابطہ طبع ہوکر سامنے آئے گا۔ اسی مناسبت سے اس کا نام ''القول الصواب فی معنی الجہاد'' (مفصل) رکھا ہے۔

جہاد کا اطلاق عمومی بلاشک تسلیم ہے مگر احکام کا مدار حقیقت شرعیہ پر ہے

____یہ میں بھی مانتا ہوں اور کیوں نہ مانوں کہ وہ ایسی سچی حقیقت ہے جسکا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا ہے کہ لغت کے اعتبار سے بہت سے مقامات پر جہاد کا لفظ کفار سے قتال کے

علاوہ دوسرے دینی کاموں پر بھی بولا گیا ہے جس پر کسی بھی دینی علم رکھنے والے بلکہ علم دین سے سرسری مناسبت رکھنے والے طالب علم کو بھی کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوسکتی اور جسکا انکار ایک واضح اور کھلی ہوئی حقیقت کا انکار ہے جو صرف ہٹ دھرم اور ضدی متکبر لوگوں کا حصہ ہے یا اسی طرح مجاہدہ کا لفظ اور فی سبیل اللہ کا اطلاق بلاشک کافروں سے قتال کے ساتھ خاص نہیں ہے اور نہ اس سے راقم سطور کو کوئی بحث ہے کیونکہ نصوص کثیرہ اس پر شاہد ہیں اور اس سے کسی کو کوئی اختلاف بھی نہیں مگر اس سے جہاد کے لفظ کو عام کر کے اسکے اصطلاحی شرعی معنی کو بگاڑ دینا کسی طرح بھی گوارہ نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لفظ کا جہاں بھی دوسرے دینی کاموں پر اطلاق ہوا ہے وہ حکما اور مجازا ہے اور عند اللہ اجر وثواب کے اعتبار سے ہے مگر اس کا مصداق نہیں ہے۔

مثال کے طور پر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ اس حدیث کے تحت ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من جهز غازيا فى سبيل الله فقد غزا ومن خلف غازيا فى اهله فقد غزا مشكوة

(یعنی جس شخص نے جہاد کرنے والے کا سامان درست کیا پس وہ بھی جہاد کرنے والا ہے اور جو شخص مجاہد کے اہل وعیال کی خیر وخبر رکھے اور ان کا خدمت گزار بنا رہے پس اس نے بھی تحقیق جہاد کیا۔)

''کیا کوئی حدیث پر ادنی نظر رکھنے والا بھی اس حدیث سے یہ سمجھے گا کہ کسی مجاہد کی مدد کرنا یا اس کی اہل وعیال کی خبر لینا حقیقی جہاد ہے۔''

فعل ثواب پر عبادت کا اطلاق حقیقت شرعیہ کو نہیں بدل سکتا

اسی طرح حضرت شیخ الحدیثؒ کا فرمان ہے کہ عبادات ومعاملات دو علیحدہ چیزیں ہیں اگر حدود اللہ کی رعایت ہو اور معاملات میں اللہ کی رضا ملحوظ ہو تو اسکی وجہ سے ان پر عبادات

کی طرح ثواب مل جانا امر آخر ہے ضرور مل جاتا ہے اور اس اجر وثواب کی وجہ سے نصوص میں ان پر کہیں کہیں عبادات کا مجازاً اطلاق بھی کر دیا گیا ہے لیکن کیا اس وجہ سے کہ ان پر بھی اجر مل جاتا ہے وہ عبادات کے مفہوم میں داخل ہو جائیں گے مجازاہر فعل ثواب پر عبادت کا اطلاق اس کی حقیقت شرعیہ کو نہیں بدل سکتا مودودی صاحب اور ان کی تحریرات کے متعلق چند اہم مضامین صفحہ ۲۱۳،۲۱۵ بحوالہ جہاد پر اعتراضات کا علمی جائزہ ص ۵۷۔

احقر اپنے اس رسالے میں جہاد کے تعلق سے جس پہلو کو واضح کرنا چاہتا ہے حضرت شیخ الحدیثؒ کی ان عبارات کو غور سے پڑھنے کے بعد اس میں ذرا بھی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ کسی لفظ کا اطلاق الگ ہے اور مصداق الگ ہے اور اجر وثواب کا ملنا الگ بات ہے اور شرعی حقیقت الگ شئی ہے۔ یہ دونوں مختلف چیزیں ہیں اور شریعت کے احکام مصداق پر مرتب ہوتے ہیں اطلاق پر نہیں دیکھئے اگر کوئی شخص صبح کو فجر کی نماز کے بعد اشراق تک مسجد میں بیٹھا رہے اور اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے آئے تو حدیث شریف میں اس کے لیے کامل ومکمل حج وعمرہ کا ثواب مذکور ہوا ہے مگر کیا کوئی ادنی سمجھ رکھنے والا یہ کہے گا کہ حاجی صاحب روزانہ حج اور عمرہ کر کے آتے ہیں، نہیں، ہرگز نہیں۔

اور ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں جن میں سے کچھ انشاءاللہ کتاب کے اندر لکھی جائیں گی۔

بڑے ہی افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ اتنا واضح مسئلہ ہوتے ہوئے (جیسے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے اطلاق ومصداق اور حصول ثواب اور حقیقت شرعیہ کا فرق کیا ہے) لوگ جہاد کے مسئلے میں اس کی حقیقت شرعیہ کو بگاڑ کر اس کے معنی میں اتنا عموم پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ دین کا ہر کام جہاد بن جائے اور اس کا اداء کرنے والا مجاہد کہلائے اور اپنے کو فضائل جہاد کا مستحق سمجھے، بالآخر اسی دھوکے میں رہ کر وہ اپنے آپ کو اس حقیقی جہاد سے جو اصل مجاہد بنانے والا اور فضائل جہاد کا استحقاق رکھنے والا ہے اپنے کو محروم رکھ چھوڑتے ہیں۔

احقر کے اس جملے پر بسا اوقات بعضوں کی طرف سے یہ سننے کو ملا کہ حقیقی غیر حقیقی جہاد کی تقسیم غلط ہے، بلکہ دین کے لیے ہر جد وجہد حقیقی جہاد ہے، بس درجات کا فرق ہے۔ یہ ایسی بات ہے جو پوری امت مسلمہ کے متفقہ عقیدے اور نظریے کے خلاف ہے، حتی کہ خود فضائل اعمال کے اندر شامل حصہ (مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج) میں حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب تحریر فرماتے ہیں اگر چہ اس آیت جہاد سے مراد کفار کے مقابلے میں سینہ سپر ہونا ہے تا کہ اسلام کا بول. بالا ہو اور کفر و شرک مغلوب و مقہور ہو۔

لیکن اگر بد قسمتی سے آج ہم اس سعادت عظمی سے محروم ہیں تو اس مقصد کے لیے جس قدر جد وجہد ہماری قدرت اور استطاعت میں ہے اس میں تو ہر گز کوتاہی نہ کرنی چاہئے پھر ہماری یہی معمولی حرکت عمل اور جد وجہد ہمیں کشاں آگے بڑھائے گی یہی (''جہاد پر اعتراضات کا علمی جائزہ، صفحہ:۶۴'')

اس سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے اکابر اور بڑے یہی سمجھتے ہیں کہ اصل سعادت عظمی اور جہاد کفار کے مقابلے میں سینہ سپر ہونا ہے تو بھلا اسکو حقیقی جہاد کیوں نہ کہا جائے جیسا کہ اس پر عنقریب اس رسالے کے اندر مزید تفصیلات پیش کی جائیں گی۔

امت مسلمہ کو جہاد سے دور رکھنے میں خود اپنوں کا کردار و وجوہات

مگر بڑے افسوس اور دکھ سے کہنا پڑھتا ہے کہ اس حقیقی جہاد کو مٹانے اور لوگوں کو مجاہدین سے نفرت دلا کر دور کرنے میں صرف غیر ہی نہیں بہت سے اپنے دانستہ یا نا دانستہ طور پر ایسا کردار ادا کر رہے ہیں جو دنیا کی باطل طاقتوں یہود و نصاری اور دشمنان اسلام کی عین منشاء اور مرضی کے مطابق ہے جس کو احقر اپنی ناقص رائے میں چار طرح کے لوگوں میں تقسیم کرتا ہے:

(۱) پہلی قسم وہ ملحد و زندیق اور منافقین و بے دین لوگوں کا ٹولہ ہے جو قرآن وحدیث میں تحریف کر کے اسلام کو مٹانے کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کی صفوں میں گھسے

ہوئے ہیں یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے چھپے ہوئے بدترین دشمن ہیں جو نفسانی خواہشات کے غلام اور شہوت کے بھوکے ہیں جن کی زندگی عیش وعشرت اور دنیا کے لطف اور مزوں کے سوا کچھ نہیں ہے اگر ان کا بس چلے تو وہ قرآن وسنت سے جہاد کی آیات اور احادیث کے ذخیرے کھرچ کھرچ کر صاف کر ڈالیں جبکہ دوسری طرف یہ اپنے آپ کو اسلام کا ہیرو اور امت مسلمہ کے لیڈر اور قائد بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں اور ان کو اپنی شہرت اور مدح وستائش کے سوا مسلمانوں کی کسی بے چینی اور پریشانی دکھ درد اور رنج وغم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

(۲) دوسری قسم ایسے دین کی سمجھ رکھنے والے نادان دوستوں کی ہے جنہوں نے علماء یہود کے طرز وطریق کو اپناتے ہوئے اس فانی دنیا کی عارضی لذتوں اور غیر حقیقی لطف اور مزوں کی خاطر محض اسلام دشمن طاقتوں کو خوش کرنے اور ان سے کچھ وقتی اور عارضی مفادات حاصل کرنے کے لیے قرآن وسنت میں تحریف کا راستہ اختیار کیا اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو قرآن کی زبان میں یوں تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کی زندگی پر دنیا کی زندگی کو ترجیح دی ہے اور اپنے دین وایمان کی متاع بے بہا کو دنیا کی عارضی اور فانی لذتوں کے عوض بیچ ڈالا ہے، یہی وہ سب کچھ ہے جس پر قرآن نے یہود کی مذمت کی ہے ایسے علمائے دین قرآنی اصطلاح میں علماء نہیں ہے اسی لیے حق تعالی نے علماء یہود کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: **لو کانوا یعلمون.**

(۳) تیسری قسم ان مسلمان بھائیوں کی ہے جو دین وایمان سے دل سے محبت رکھتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کی ترقی اور فلاح و بہبود کی تمنائیں رکھتے ہیں اور اس کے لیے دعاء گو بھی رہتے ہیں اور حقیقت میں دل سے شجرۂ اسلام کو پھولدار اور پھلدار دیکھنا چاہتے ہیں مگر دنیا کے عیش وعشرت بیوی بچوں کی محبت اور کاروبار زمین و جائداد اور ملک و وطن کا تعلق ان کو اسلام اور ملت اسلامیہ کے لیے کسی بھی ایسی کارروائی سے روکے ہوئے ہے کہ جس میں ان سب محبتوں کو قربان کرنا پڑ جائے اس لیے وہ حق کو حق سمجھتے ہوئے آگے بڑھنا

نہیں چاہتے اوراس طرح وہ خود دنیا کی محبت کے فتنہ میں مبتلاء ہوکراپنے آپ کو عظیم خطرے اور تباہی کے قریب پہنچا چکے ہیں جو دنیاو آخرت کے مصائب اور آفات و بلیات سے بمشکل محفوظ رہ سکیں گے۔

کاش کہ یہ لوگ حقیقی علم رکھتے اس لیے کہ یہ آیت ان یہود سے متعلق ہے جو ان میں سے علماء تھے اور انہوں نے اپنے دین کو دنیا کے عوض بیچ ڈالا تھا اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے ہمیں ایسے علماء میں شامل ہونے سے محفوظ رکھے۔

بڑا رنج اور دکھ ہوتا ہے جب بہت سے ایسے علماء جو بظاہر قوم اور معاشرے میں بڑے علماء میں شمار ہوتے ہیں اور عوام کی ایک بڑی تعداد اپنے روز مرہ کے مسائل میں ان کو اپنا مرجع بنائے ہوئے ہے مگر جہاں اس قسم کے امتحان اور آزمائش کے مسائل سامنے آتے ہیں تو پھر وہی علماء عوام کو راہ حق دکھانے کے بجائے اپنے حکمرانوں اور ظالم بادشاہوں کو خوش کرنے کے لیے جہاد کے متعلق ایسی گفتگو شروع کرتے ہیں کہ جس سے پوری قوم گمراہ ہوکر عمر بھر دھوکے میں پڑی رہتی ہے تاریخ اسلام اس قسم کے نام نہاد حکومتوں کے پروردہ علماء سوء سے بھری ہوئی ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ جتنا نقصان امت مسلمہ کو ان علماء سوء سے پھونچا ہے اتنا کسی اور سے نہیں پہنچا اس پر مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ پھر بھی یہ لوگ اپنے آپ کو قوم کا مقتداء پیش کرتے ہیں اور امت مسلمہ کے قائد و رہبر ہونے کے دعوے دار ہیں۔

(۴) چوتھی قسم امت مسلمہ کے وہ طبقہ ہے جو نہایت مخلص دین کا درد رکھنے والا جہاد اور مجاہدین سے محبت بلکہ دل کی گہرائیوں سے انتہائی عقیدت و محبت رکھنے والا ہے جن کے اخلاص پر شبہ کرنا بھی شاید اپنے ایمان سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہوگا یہ لوگ اگر چہ میدان جہاد سے دور ہیں مگر ان کے دل ہر وقت مجاہدین کے ساتھ دھڑکتے ہیں اور اگر ان کی علمی اصلاحی و دینی مصروفیات مشغولیات نہ ہوتیں تو شاید بلکہ یقیناً یہ لوگ صف اول کے مجاہد

ہی نہیں بلکہ مجاہدین کے قائدین کا کردار ادا کرتے ان کی علمی و اصلاحی کوششیں یقیناً دین اسلام کے ہر شعبے کے لیے نہایت ہی قابل قدر ہیں اور خود جہاد مجاہدین کے لیے فائدہ مند ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کے اخلاص، تقوی اور علمی و اصلاحی کاوشوں سے مجھے بھی وافر حصہ عطا فرمائے۔ آمین۔ ان کی جوتیاں میرے سر کا تاج، پاؤں کی خاک میری آنکھوں کا سرمہ، ان کی دعائیں اور توجہات ہی میرے بلکہ عالم اسلام کے لیے سرمایہ ہیں۔

لہٰذا ایسے اصحاب علم و اصحاب قلم حضرات کے موقف کو جھٹکنے کے انداز سے مسترد کر دینے کے بجائے ان کی ذہنی الجھن کو سامنے لا کر دلیل و منطق سے صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنے اس موضوع کو اپنے فضل و کرم سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق دے اور مجھے میرے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے اور میری اس حقیر محنت کو اپنے دربار عالی میں محض اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر اُمتِ مسلمہ کے لیے نافع بنائے۔ آمین یا رب العلمین.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علٰی سیدنا محمد والہ وصحبہ اجمعین.

اکابر ثلاثہ کے فیض صحبت کا اثر افراط وتفریط سے طبیعت میں بیزاری

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اس فقیر کو شروع سے مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں رہ کر اپنے اکابر علماء کرام اور اہل حق اساتذۂ عظام سے قرآن وسنت کے علم حاصل کرنے کی توفیق بخشی اور تعلیم کے دوران ہی سے اپنے مشائخ اور بزرگان دین سے تعلق اور نسبت کا شرف بھی توفیق الٰہی سے حاصل رہا خاص طور پر حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ اور حضرت شاہ ابرار الحق ہردوئی رحمہ اللہ اور عارف باللہ حضرت اقدس حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب ادام اللہ فیوضہم سے کافی مدت صحبت میں رہنے اور دینی واصلاحی باتین سننے کا خوب موقعہ ملا جس کو احقر اپنی ایک سعادت سمجھتا ہے۔

بحمداللہ تعالیٰ اسی بزرگان دیوبند کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ ہے کہ جب بھی کسی دینی معاملے میں کسی بھی پہلو سے اور کسی بھی طبقے کی طرف سے افراط وتفریط کی باتیں سامنے آتی ہیں تو ان کے سلسلے میں دل ودماغ میں رنج اور غم پیدا ہوتا ہے اور طبیعت میں بڑی تکلیف اور دکھ کی کیفیت ہوجاتی ہے مگر اس قسم کے کسی بھی موقعہ پر احقر نے اپنا معمول یہ بنا رکھا ہے کہ خود اپنے طور پر دینی چیزوں میں رائے قائم کرنے اور نصوص فہمی میں اپنی فہم وسمجھ پر اعتماد کے بجائے اپنے مشائخ اور بزرگوں کی طرف رجوع کرنے کو ضروری سمجھتا ہے اور اسی کو خیر کا راستہ تصور کرتا ہے اس لیے کہ آج اس دور پر فتن میں ہر طرف علمی وعملی فتنوں کا ایک سیلاب آیا ہوا ہے جس کی بڑی بنیاد اپنی رائے کو اپنا امام بنالینا اور اپنی فہم پر اعتماد کر کے اسی کے پیچھے

چل پڑنا ہے اوراس طرح اعجاب كل ذي رأي برأيه کا شکار ہوکر صحیح دین کی اتباع سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ جب انسان اس مصیبت کا شکار ہو چکا ہوتا ہے تو پھر وہ نصوص کو موڑتوڑ کر اپنی رائے کے موافق لانے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے بزرگوں اور اکابر کے کلام سے سیاق وسباق کو چھوڑ کر اپنے مطلب کی عبارتیں نکال کر اپنے دعوے پر چسپاں کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے جس کا نتیجہ کچھ سادہ لوح مسلمان اور کم علم وفہم رکھنے والے دین کے طلبگاروں کو بہکانے اور راہ حق سے ہٹانے کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے۔

اس لیے احقر نے اوپر جس مضمون کو شروع کیا ہے اس کے لیے تمام دلائل نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے پیش کر کے اس کی تفسیر وتشریح متقدمین سلف صالحین اور اپنے اکابر بزرگان دین کے اقوال کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کریگا۔

جمع نصوص سے زیادہ اہم ،فہم نصوص میں اسلاف پر اعتماد ہے

اس میں خاص طور پر قارئین کتاب کو یہ بات عرض کرتا چلوں کہ نصوص پیش کرنا اور انکو حوالوں کے ساتھ مدلل کرنا ایک کام ہے گوکہ یہ کام بہت اہم اور نہایت ضروری ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ اہم اور ضروری ان نصوص کا اپنے دعوے کے اوپر تطبیق دینا ہے یہی کام احقر کی نگاہ میں اصل اور بنیادی ہے اور اگر احقر یہ عرض کردے تو غلط نہ ہوگا کہ بکثرت مسائل کے اختلاف میں ایسا ہوتا ہے کہ وہی نص دونوں فریقوں کے لیے دلیل بن رہی ہے مگر تفقہ کی بنیاد اس پر ہوتی ہے کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر کے اپنے دعوے پر اسکو دلیل کے طور پر چسپاں کردیا جائے ورنہ یوں تو تمام اسلامی فرقے اپنی گمراہیوں پر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا اچھا خاصہ ذخیرہ جمع کر کے رکھ دیتے ہیں۔

دور جانے کی ضرورت نہیں ماضی قریب کے گمراہ فرقوں میں مودودیت اور بریلویت کو لے لیجئے کہ سخت گمراہی میں ہونے کے باوجود اپنے مسلک پر قرآن کی آیتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا ایک ذخیرہ جمع کئے ہوئے ہیں۔

اس لیے اپنے دعوے پر نصوص کا پیش کرنا اور ان کو حوالوں سے مدلل کرنا کتنا ہی اہم سہی لیکن ان کو اپنے دعوے پر تطبیق دینا اور نصوص کی صحیح فہم اور سمجھ پیدا کرنا یہ ایک عالم دین کے لیے از حد ضروری ہے ورنہ اس کے بغیر کتنی ہی مدلل بات ہو وہ اہل علم کے درمیان کسی بھی قیمت پر قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

دعویٰ

دینی وشرعی اور اسلامی واصطلاحی

”جہاد“

کفار ومشرکین سے صرف قتال کا نام ہے

جہاد فی سبیل اللہ صرف اور صرف اللہ تعالی کے راستے میں قتل وقتال کا نام ہے یا ہر وہ عمل جو کہ قتال فی سبیل اللہ کا باعث ہو اور اس سے قتال فی سبیل اللہ ہی کی تائید ہو خواہ وہ زبان سے ہو یا قلم سے یا مال سے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کا قلم اس لیے حرکت کرتا ہے کہ اس سے معرکہ حق وباطل کی منظر کشی ہو۔ میدان جنگ کے لیے مجاہدین تیار ہوں اور مجاہدین کی حوصلہ افزائی ہو کفار کی حوصلہ شکنی ہو غازیوں اور شہداء کے حالات امت اسلامیہ تک پہنچائے جا رہے ہوں تو یہ قلم کی حرکت بھی یقیناً جہاد فی سبیل اللہ کی حد میں ہو گی۔

اسی طرح اگر زبان اس لیے چل رہی ہے کہ اس سے امت مسلمہ کے دلوں میں جذبات کا طوفان پیدا کر کے نوجوان طبقہ کو میدان جہاد کی طرف راغب کیا جائے اور نظم ونثر شعر وشاعری اور تقریر وخطابت کے ذریعہ مسلمانوں کے خون کو گرم کیا جائے تو یہ بھی یقیناً جہاد ہی کا ایک شعبہ ہوگا۔

اور اسی طرح اگر مال کے ذریعہ اسلحہ کی خریداری مجاہدین کے لیے لباس وخوراک کا بندوبست غازیوں وشہیدوں کے گھروں کی دیکھ بھال کی جا رہی ہو تو یہ بھی بلا شک وشبہ جہاد ہی شمار ہوگا مگر ان میں شرط یہ ہیکہ یہ سب کچھ امیر کی اطاعت میں ہو ورنہ تو ان پر جہاد کا اجر تو مل سکتا ہے اور مجازاً ان کو جہاد کہا جا سکتا ہے مگر حقیقی جہاد تو ان کو بھی شمار نہیں کیا جا سکتا۔

اور اگر قلم کے ذریعے دین اسلام کے مختلف مضامین تحریر کئے جارہے ہوں یا زبان کو امت کی اصلاح اور راہنمائی کے لیے استعمال کیا جارہا ہو یا مال کے ذریعہ مدارس کی تعمیر وترقی اور یتامیٰ اور بیوگان کی مدد کی جارہی ہو تو اس کو ایک نیک کام تو کہا جاسکتا ہے اور یقیناً ہے مگر ان کو جہاد فی سبیل اللہ ہرگز ہرگز شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه

احقر نے مذکورہ بالا سطور میں جو دعویٰ پیش کیا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں جب بھی جہاد یا مجاہدین یا فضائل جہاد یا ابوب الجہاد وغیرہ کے الفاظ بولے جاتے ہیں تو اس میں صرف اور صرف کفار کے مقابلے میں جنگ کرنا اور جنگ سے متعلقہ امور ہوتے ہیں باقی دوسری دینی چیزوں پر اس کا اطلاق حکما اور مجازا ہے وہ جہاد کی حقیقت شرعیہ نہیں ہے۔

مذکورہ بالا دعوے پر دلائل

اب احقر اس پر تفصیل کے ساتھ دلائل پیش کرتا ہے جس کی ترتیب احقر کی سمجھ میں یہ آتی ہے کہ سب سے پہلے آیات قرآنیہ اس مسئلے سے متعلق پیش کی جائیں اور تفسیر کی معتبر اور مستند کتابوں سے اسکے معنی و مطلب کے ساتھ مفسرین کے اقوال پیش کئے جائیں اور ایسی قرآنی آیات کہ جن کو بعض حضرات ذکر کر کے اپنے مطلب پر استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں انکی صحیح تفسیر اور توضیح پیش کردی جائے تاکہ یہ واضح ہوسکے کہ مفسرین کے وہ اقوال اپنی جگہ پر بالکل درست اور صحیح ہیں مگر جس معنی و مطلب پر ان سے استدلال کی کوشش کی جارہی ہے وہ درست نہیں ہے۔

اب آیئے قرآن کریم کی چند آیات پر غور کیجئے جن کے اندر اللہ تبارک وتعالی نے جہاد کے حکم کو مختلف صیغوں اور مختلف انداز سے ذکر فرمایا ہے اور انکی لمبی چوڑی تفسیر ذکر کئے بغیر صرف آیات اور انکا ترجمہ مستند قرآنی ترجمہ شیخ الھند سے پیش کرنے پر اکتفاء کروں گا

کیونکہ خود ترجمے سے یہ بات واضح ہو جائیگی کہ اکثر آیات قرآنیہ میں جہاد کا لفظ کافروں سے لڑنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور خود حضرت شیخ الھندؒ نے جہاد کے لفظ کو قتال کے معنی پر محمول کیا ہے اور اکثر آیات میں جہاد کا ترجمہ کفار سے لڑنے کا کیا ہے، جن میں بعض آیات صیغہ امر پر اور بعض ماضی اور مضارع کے صیغوں پر مشتمل ہیں وہ آیات درج ذیل ہیں:

جہاد سے متعلق امر کے صیغے

اے ایمان والوں! اللہ کے راستے میں جہاد کرو

(۱) یایھا الذین اٰمنوا اتقو االله وابتغوا الیه الوسیلة وجاھدوا فی سبیله
سورة المائدة ۳۵

اے ایمان والوں! ڈرتے رہو اللہ سے، اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں۔

ہلکے ہو بوجھل جہاد کے لیے نکلو

(۲) انفروا خفافا و ثقالا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل الله
سورة التوبه ۴۱

نکلو ہلکے ہو اور بوجھل، اور لڑو اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں، یہ بہتر ہے تمہارے حق میں، اگر تم کو سمجھ ہے۔

اے نبی کافروں سے جہاد کرو

(۳) یایھا البنی جاھد الکفار والمنفقین واغلظ علیھم ومأوھم جھنم
سورة التوبه ۷۳

اے بنی! لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تندخوئی کر ان پر اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

(۴) واذا أنزلت سورة أن اٰمنوا بالله وجاھدوا مع رسوله استأذنک

اولوا الطول منهم

سورۃ التوبہ ٨٦

اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورۃ کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر لڑائی کرو تو تجھ سے رخصت مانگتے ہیں مقدور والے۔

اللہ کے واسطے خوب جہاد کرو

(۵) وجاهدوا فی الله حق جهاده

سورۃ الحج ٧٨

اور اللہ کے واسطے جہاد کرو جیسا چاہیئے اس کے واسطے جہاد۔

(٦) یاایها البنی جاهد الکفار والمنفقین واغلظ علیهم

سورۃ الحریم ٩

اے نبی! لڑائی کرو منکروں سے اور دغابازوں سے اور سختی کر ان پر۔

جہاد کے متعلق ماضی کے صیغے

مجاہدین اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں

(١) والذین هاجروا وجاهدوا فی سبیل الله أولئک یرجون رحمت الله

سورۃ بقر ٢١٨

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی، اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے۔

کیا تم جہاد کے بغیر جنت میں جا سکتے ہو؟

(٢) ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یعلم الله الذین جهدوا منکم ویعلم الصابرین

سورۃ ال عمران ٤٢

کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں؟ اور ابھی اللہ نے معلوم نہیں کیا جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو۔

(۳)ان الذین اٰمنوا والذین ھاجروا وجھدوا فی سبیل اللہ

سورۃ انفال ۷۲

اور جولوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا، اورلڑے اپنے مال وجان سے اللہ کی راہ میں۔

پکے مؤمن وہ ہیں جنہوں نے جہاد کیا یا مجاہدین کو پناہ دی

(۴) والذی اٰمنوا وھاجروا وجھدوا فی سبیل اللہ والذین اٰووا ونصروا اولئک ھم المؤ منون حقا

سورۃ انفال ۷۴

اور جولوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اورلڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اوران کی مدد کی، وہی ہیں سچے مسلمان۔

(۵)والذین اٰمنوا من بعدوھاجروا وجھدوا معکم فاولئک منکم

سورۃ انفال ۷۴

اور جولوگ ایمان لائے اس کے بعد، اور گھر چھوڑ آئے اورلڑے تمہارے ساتھ ہوکر، سو وہ لوگ بھی تم ہی میں ہیں۔

کیا تم لوگ جہاد کے بغیر چھوٹ جاؤ گے

(٦)ام حسبتم ان تترکوا ولما یعلم اللہ الذین جھدوا منکم

سورۃ التوبہ١٦

کیا تم لوگ یہ گمان کرتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے؟ اور حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو معلوم نہیں کیا جنہوں نے جہاد کیا ہے۔

جن لوگوں نے جان ومال سے جہاد کیا ان کا بڑا درجہ ہے

(۷)الذین اٰمنوا وھاجروا وجھدوا فی سبیل اللہ بأموالھم وأنفسھم اعظم درجۃ عند اللہ

سورۃ التوبہ۲۰

جولوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑ آئے اورلڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے ان کے لیے اللہ کے ہاں بڑا درجہ ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمن تو جان و مال سے لڑتے ہیں

(٨) لکن الرسول والذین اٰمنوا معه جهدوا باموالهم وانفسهم
سورة التوبه٨٨

لیکن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ساتھ اس کے، وہ لڑے ہیں اپنے مال اور جان سے۔

جہاد سے متعلق مضارع کے صیغے

مسلمان الزمات سے بے خوف ہو کر جہاد کرتے ہیں

(١) یجاهدون فی سبیل الله ولایخافون لومة لائم
(مائدة، آیت : ٥٤)

تو اللہ عنقریب ایسی قوم کو لائے گا کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اللہ کو چاہتے ہیں مسلمانوں پر نرم دل ہیں کافروں پر زبردست ہیں لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے۔

(٢) لایستأ ذنک الذین یؤمنون بالله والیوم الاخر ان یجاهدوا باموالهم وانفسهم والله علیم بالمتقین
سورة التوبه٤٤

تجھ سے وہ لوگ رخصت نہیں مانگتے ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت پر اس سے کہ لڑیں اپنے مال اور جان سے۔

(٣) فرح المخلفون بمقعدهم خلف رسول الله وکرهوا ان یجاهدوا باموالهم وانفسهم فی سبیل الله
سورة التوبه٨١

خوش ہو گئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہو کر، اور گھبرائے اس سے کہ لڑیں اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں۔

(٤) تؤمنون بالله ورسوله وتجاهدون فی سبیل الله باموالکم

وانفسکم

سورة الصف ۱۱

ایمان لاتے ہواللہ پر اوراس کے رسول پر اورلڑتے ہواللہ کی راہ میں اپنے مال اوراپنی جان سے۔

جہاد سے متعلق اسم فاعل کے صیغے

جہادکرنے والوں کا درجہ سب سے بڑا ہے

(۱) لایستوی القٰعدون من المؤ منین غیر أولی الضرر والمجھدون فی سبیل اللہ

سورة النساء۹۵

برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں، اور وہ مسلمان جو اللہ کی راہ میں لڑنے والے ہیں۔

مال وجان سے جہادکرنے والے سب سے افضل ہیں

(۲) فضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القعدین درجة

سورة النساء۹۵

اللہ نے بڑھا دیا اپنے مال اور جان سے لڑنے والوں کا درجہ بیٹھ رہنے والوں پر۔

(۳)وفضل اللہ المجھدین علی القعدین اجرا عظیما

سورة النساء ۹۵

اورزیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں سے اجر عظیم میں۔

جہادکرنے والوں اورنہ کرنے والوں کا امتحان ہوگا

(۴) ولنبلونکم حتی نعلم المجاھدین منکم والصبرین ونبلوأخبارکم

سورة النساء۹۵

اورالبتہ ہم تم کو جانچیں گے تاکہ معلوم کرلیں جوتم میں لڑائی کرنے والے ہیں اورقائم رہنے والے ہیں اورتحقیق کرلیں تمہاری خبریں۔

جہاد سے متعلق مصدر کے صیغے

جہاد چھوڑنا اور دنیا بنانا باعث عذاب ہے

(۱)قل ان کان ابأء کم وأبناؤکم وأخوانکم وأزواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومسٰکن ترضونھا أحب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یأتی اللہ بأمرہ

سورۃ التوبہ ۲۴

تو کہہ دے کہ تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے، اور اللہ کی راہ میں لڑنے سے، تو انتظار کرو کہ بھیجے اللہ اپنا حکم ''عذاب''

(۲)وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ

سورۃ الحج ۷۸

اور اللہ کے واسطے جہاد کرو جیسا کہ چاہیئے اس کے واسطے جہاد۔

اگر اللہ کی رضا کے لیے ہجرت کی ہے تو جہاد کرنا ہوگا

(۳) یایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم أولیاء تلقون ألیھم بالمودۃ وقد کفروا بما جاء کم من الحق یخرجون الرسول وإیا کم ان تؤمنوا باللہ ربکم إن کنتم خرجتم جھادا فی سبیلی وابتغاء مرضاتی

سورۃ الممتحنہ ۱

اے ایمان والو! نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست، تم ان کو پیغام بھیجتے ہو دوستی سے اور وہ منکر ہوئے ہیں اس سے جو تمہارے پاس آیا سچا دین۔ نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس بات پر کہ تم مانتے ہو اللہ کو جو رب ہے تمہارا، اگر تم نکلے ہو میری راہ میں لڑنے کو اور میری رضامندی طلب کرنے کو ''تو ایسا مت کرو''

آیات قرآنیہ سے مفسرین کے اقوال کی روشنی میں دلائل

دلیل (۱) :

لایستوی القاعدون من المؤمنین غیر أولی الضرر والمجاهدون فی سبیل الله بأموالهم وأنفسهم فضل الله المجاهدین بأموالهم وأنفسهم علی القاعدین درجة وکلا وعد الله الحسنی و فضل الله المجاهدین علی القاعدین اجرا عظیما درجت منه و مغفرة ورحمة و کان الله غفورا رحیما.

(النساء آیت ۹۵، ۹۶)

ترجمہ:

برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کریں۔ اللہ تعالی نے ان لوگوں کا درجہ بہت بلند کیا ہے جو اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر بیٹھنے والوں کے اور سب سے اللہ تعالی نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالی نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر بیٹھنے والوں کے اجر عظیم دیا ہے یعنی بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں اور مغفرت اور رحمت اور اللہ بڑی مغفرت والے رحمت والے ہیں۔

اگر ہر دینی محنت جہاد ہے تو پھر قاعدین مصداق کون سے صحابی ہیں؟

اس آیت کریمہ میں دو قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے قاعدون (بیٹھنے والے) مجاہدون (جہاد کرنے والے) اب مجاہدون کو قاعدون کے مقابلے میں ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جہاد کا معنی صرف قتال کرنا ہے کیونکہ قاعدون میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو دین کا کوئی بھی کام کرتے ہیں مگر جہاد یعنی قتال نہیں کرتے خواہ وہ تدریس میں یا تصنیف میں مشغول

ہوں وہ خانقاہ میں ضربیں لگا رہے ہوں یا گھر گھر جا کر نماز و روزہ کی دعوت دے رہے ہوں۔

اس لیے میں بطور خاص ان حضرات سے گزارش کروں گا جو کہ دعوت و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں اور ماشاء اللہ بہت نیک کام میں مصروف ہیں مگر وہ اپنے اس کام کو جہاد فی سبیل اللہ بلکہ اس سے بھی بڑا درجہ دیتے ہیں اور دوسرے دین کے کام کرنے والوں حتیٰ کہ مجاہدین کو بھی اصل دین کی محنت نہ کرنے والا سمجھتے ہیں کہ وہ اس آیت کی تفسیر کے لیے حضرت مولانا محمد احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ''مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج'' کا ضرور بغور بار بار مطالعہ فرمائیں یہ رسالہ انہوں نے حضرت جی مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ بانی و امیر اول تبلیغی جماعت کے حکم پر تحریر فرمایا اور یہ رسالہ اس وقت فضائل اعمال کا باقاعدہ حصہ ہے۔

حضرت مولانا محمد احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر میں فرماتے ہیں:

اگرچہ اس آیت جہاد سے مراد کفار کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونا ہے تاکہ اسلام کا بول بالا ہو اور کفر و شرک مغلوب و مقہور ہو (لیکن اگر بدقسمتی سے آج ہم اس سعادت عظمیٰ سے محروم ہیں) تو اس مقصد کے لیے جس قدر ہو جد و جہد ہماری مقدرت اور استطاعت میں ہے اس میں تو ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہئے۔ (پھر ہماری یہی معمولی حرکت عمل اور جدوجہد) ہمیں کشاں کشاں آگے بڑھائے گی۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا

العنکبوت آیت ۶۹

یعنی جو لوگ ہمارے دین کے لیے کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لیے اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔

خط کشیدہ عبارت کے الفاظ پر ایک بار پھر غور فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے کہ بزرگ تو جہاد کو سعادت عظمیٰ اور اس دعوت والے کام کو معمولی حرکت قرار دیتے ہیں اور ہم اس

کو پورے دین کی دعوت، اصل کام اور ترتیب نبوت اور نہ معلوم کیا کیا القابات دیتے ہیں۔

اور ہمارے بزرگ جس کو سعادت عظمیٰ فرماتے ہیں ہم اسی سے بھاگتے ہیں اور دوسرے کو بھی اس کے قریب نہیں جانے دیتے۔ مزید آگے چل کر آیت "یا ایھا الذین اٰمنوا ھل أدلکم" کے تحت فرماتے ہیں دوسری چیز جو ہم سے مطلوب ہے وہ جہاد ہے اور جہاد کی اصل اگر چہ کفار کے ساتھ جنگ اور مقابلہ ہے (اور یہی راقم سطور کا مدعی ہے) مگر در حقیقت جہاد کا منشاء بھی اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور احکام خداوندی کا نفاذ اور اجراء ہے اور یہی ہماری تحریک کا مقصد اصلی ہے۔

وہ آیات جن سے بعض حضرات اسلامی لفظ جہاد کے معنی میں عموم سمجھتے ہیں

اب احقر ان قرآنی آیات کا تذکرہ کرنا مناسب سمجھتا ہے جن سے بعض حضرات کو یہ دھوکہ ہو گیا کہ جہاد کفار سے قتال کے ساتھ ساتھ نفس وشیطان کے تقاضوں اور چاہتوں کے خلاف جدو جہد کا بھی نام ہے اور مطلقاً کسی بھی دینی کوشش اور جدو جہد پر قرآن کریم کے اندر اس کا اطلاق وارد ہوا ہے اس لیے بترتیب احقر ان آیات کو ذکر کر کے ان کی صحیح تفسیر اور غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے چند جوابات پیش کرتا ہے:

آیت نمبر (۱)......یَاایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم وماوٰھم جھنم وبئس المصیر

(سورۃ تحریم آیت ۹) فتح الجواد ج۳ص۳۲

جَاهِدِ الْكُفَّارَ کافروں کے مقابلہ میں جہاد جنگ وقتال سے ہوگا۔

امر بالجھاد مع الکفار بالسیف (قرطبی، ابن عباس) دلّت الدلائل المنفصلۃ علیٰ ان المجاھدۃ مع الکفار یجب ان تکون بالسیف (کبیر)

اُس وقت اِس حکمِ جہاد کی تعمیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کی شکل میں کر کے دکھا دی تھی، باقی نفسِ حکم (یعنی کفار کے خلاف قتال کا حکم) قیامت تک ہر دور، ہر عہد کے

لیے قائم ہے جب بھی اس کے شرائط پورے ہوجائیں۔'' (ماجدی)

سوال: اس آیت کریمہ میں بھی ''جاھد'' کا لفظ ہے اور اس کے معنی بھی قتال نہیں کیونکہ اس میں حکم ہے کہ منافقین سے جہاد کرو اور منافقین سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قتال نہیں فرمایا اور اگر یہاں ''**جاھد**'' کا معنی ''قاتل'' ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ ایسا حکم ہے جس پر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عمل نہیں فرمایا

جواب:

اس آیت کریمہ میں ''جاھد '' بھی بمعنی ''قاتل '' ہے یعنی لڑو اور قتال کرو۔ اس پر

پہلی دلیل:

یہ ہے کہ یہ آیت قرآن میں دوبار آئی ہے ایک سورۃ توبہ میں جو کہ خالص جہاد کے احکام ترغیب وغیرہ پر مشتمل ہے اور مدنی ہے دوسری بار سورۃ تحریم میں اور سورۃ تحریم بھی مدنی ہے اور جہاد بھی مدنی حکم ہے۔

دوسری دلیل:

یہ ہے کہ اس میں حکم ہے ''**واغلظ علیھم**'' کہ ان کفار و منافقین پر سختی کرو اور یہ سختی اور غلظت جہاد میں ہی ہوتی ہے نہ کہ دعوت و تبلیغ میں۔ کیوں کہ دعوت و تبلیغ میں تو حکم ہے۔

قل ھذہٖ سبیلی أدعو الی اللہ علی بصیرۃ

(سورۃ یوسف آیت نمبر ١٠٨)

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ و جادلھم بالتی ھی أحسن

(سورۃ النحل آیت نمبر ١٢٥)

ادفع بالتی ھی أحسن

(سورۃ السجدۃ آیت نمبر ٣٤)

تینوں آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ حکمت، بصیرت اور اچھی نصیحت کے ساتھ ان کافروں کو اپنے رب کی طرف دعوت دیں۔

تیسری دلیل:

یہ ہے کہ اس کے متصل بعد فرمایا" **ومأوٰهم جهنم**" کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے ان کو قتل کرو اور ان کے ٹھکانہ اور مقام تک پہنچاؤ۔

اور آیات دعوت و تبلیغ کا انداز یہ نہیں ہوتا بلکہ ان کے آخر میں کوئی نہ کوئی ہدایت کی طرف ترغیب دینے والا یا پھر کفر و شرک سے بیزاری کا اظہار کرنے والا جملہ ہوتا ہے اور یہاں پر تو ذکر ہی اس کا کیا جس کا تعلق ہی موت سے ہے کیونکہ جہنم تو موت کے بعد ہی ہے یعنی قتل ہوں اور پہنچیں اپنے ٹھکانہ پر

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

تائید:

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر عثمانی میں اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

(اے نبی لڑائی کر منکروں سے اور دغا بازوں سے اور سختی کر ان پر اور ان کا گھر دوزخ ہے اور بری جگہ جا پہنچے)

جواب نمبر (۳)

اس آیت کریمہ میں دو حکم ہیں جہاد اور غلظت یعنی سختی کرنا اور دو ہی قسم کے لوگوں کا ذکر ہے کفار اور منافقین تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ اعلانیہ جو کفار ہیں ان کے ساتھ جہاد یعنی قتال کرو اور جو منافقین ہیں ان پر غلظت یعنی سختی کرو۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیجئے بے شک کافروں اور منافقوں سے جہاد اور خوب سختی دکھائے ان پر تا کہ دوزخ میں جا کے ہوں برباد

باقی رہا یہ اشکال کہ پھر منافقین سے قتال کیوں نہیں کیا؟ اس کا جواب تو یہ ہے کہ منافق ہوتا ہی وہ ہے جس کا کفر تو مخفی ہو مگر ایمان ظاہر کرتا ہو تو جب تک کسی کا کفر بالکل ظاہر نہ ہو

اس کو قتل کیسے کیا جا سکتا ہے؟

علماء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ زمانہ نبوت میں چونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا جاتا تھا مگر ہم کو کسی کے باطنی کفر پر فتوی کا کوئی حق حاصل نہیں الا یہ کہ کوئی شخص باطنی کفر کو از خود ظاہر کر دے مگر جب وہ ظاہر کر دے گا تو پھر وہ منافق نہ رہا بلکہ اعلانیہ کافر ہو گیا۔

البتہ ایک اشکال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی منافقین کا علم ہو جاتا تھا تو پھر آپ نے منافقین سے جہاد یعنی قتال کیوں نہ کیا؟

تو اس کی وجہ یہ ہے کہ منافق تو ہوتا ہی وہ ہے جس کے دل میں کفر ہو مگر زبان سے اسلام کا اظہار کرے جس کی وجہ سے لوگ اس کو مسلمان سمجھتے ہیں تو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کو قتل فرماتے تو لوگوں کو اعتراض کا موقع ملتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔

دیکھئے عہد نبوت کا واقعہ

شعبان ۵ھ جو غزوہ بنی مصطلق کے سفر میں منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا کہ یہ مہاجرین لوگ ہم پر غالب آ گئے ہیں خدا کی قسم مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلت والے کو مدینہ سے باہر نکال دے گا یعنی ہم لوگ مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ سے نکال دیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رہنے دو کیونکہ (لوگوں کو حقیقت حال کا پتہ نہیں ہے) لوگ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

اب دیکھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ان منافقین کو قتل نہیں کرنا بلکہ ایک خاص وجہ کے تحت قتل نہیں فرمایا۔ مگر منافقین کے قتل کو پسند کرنا اور کسی خاص عذر کی وجہ

سے قتل نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ منافق کا قتل بھی فی نفسہ جائز بلکہ سنت ہے۔

مثال:

اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے موقع پر عیینہ بن حصن فزاری کو مدینہ کی نصف کھجوریں دے کر صلح کا ارادہ فرمایا تھا مگر سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے مشورہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ ملتوی فرما دیا۔(ابن ھشام)

مگر اب یہ مستقل مسئلہ بن گیا ہے کہ اگر کسی وجہ سے کافروں کو مال دے کر صلح کرنی پڑے تو جائز ہے۔ اس طرح پاجامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال نہیں فرمایا مگر صرف پسند فرمایا مگر اسے استعمال کرنا سنت ہو گیا۔

اور محرم کا دسویں تاریخ کا روزہ رکھا مگر یہ بھی فرمایا کہ آئندہ برس زندہ رہا تو ایک روزے کا اضافہ کروں گا لہذا اب نو یا گیارہ کا روزہ بھی سنت ہے۔

اس لیے یہ بڑے اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ منافقین کا قتل بھی گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہو گیا۔

لہذا اس آیت میں بغیر کسی شک وشبہ کے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ آیت کریمہ میں ”جاھد“ سے مراد قاتل ہی ہے۔

جہاد سے مراد کفار سے جنگ

آیت نمبر(۲)...... ”وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ “

اس آیت مبارکہ کے پہلے حصے ”وجاھدو فی اللہ حق جھادہ “ میں بعض مفسرین کے نزدیک جہاد سے مراد کافروں سے جنگ ہے۔

”المراد ھنا عند الضحاک جھاد الکفار حتی یدخلوا فی الاسلام ویقتضی ذلک ان تکون الآیة مدنیة لان الجھاد أنما امر بہ بعد الھجرة “

یعنی امام ضحاک کے نزدیک آیت مبارکہ میں کفار سے جہاد کرنا مراد ہے یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں اس قول کے مطابق یہ آیت ''مدنی'' ہو گی کیونکہ جہاد کا حکم ہجرت کے بعد نازل ہوا۔(روح المعانی)

امام ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اسی قول کو اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''وجاهدوا فی الله حق جهاده '' ای بأموالکم وألسنتکم وأنفسکم

یعنی اللہ تعالی کے راستے میں پورا پورا جہاد کرو اپنے مالوں سے اپنی زبانوں سے اور اپنی جانوں سے (تفسیر ابن کثیر) اس تفسیر میں اشارہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارک کی طرف

جاهدوا المشرکین بأموالکم وأنفسکم وألسنتکم

یعنی مشرکین کے خلاف جہاد کرو اپنے اموال سے اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے (ابوداؤد)

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

قوله تعالی : وجاهدوا فی الله حق جهاده قیل عنی 'به جهاد الکفار

یعنی اس آیت میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کفار کے خلاف جہاد ہے۔(القرطبی)

تفسیر حقانی میں ہے:

''اور اس کے بعد حکم دیتا ہے'' و جاهدوا فی الله حق جهاده '' جہاد سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دشمنانِ دین سے جنگ کرنا ہے اور ''حق جہادہ'' سے مراد پورے طور پر اور نہایت سعی وکوشش سے جس کی تفسیر بعض نے یوں کی ہے کہ خالصاللہ (ہو) اور بعض کہتے ہیں جس میں اللہ اور سردار (یعنی امیر جہاد) کی مخالفت (یعنی نافرمانی) نہ ہو بعض کہتے ہیں جس میں کسی ملامت کا خوف نہ ہو پھر یہ (کفار کے خلاف جہاد) عام ہے خواہ زبان سے ہو خواہ تلوار سے اور اس حکم کا سب سے اخیر میں صادر کرنا اس بات کو بتلاتا ہے کہ

نماز اور فعل الخیرات سب سے بڑھ کر یہ (جہاد کا) کام ہے کیونکہ جب تک شر اعداء (یعنی دشمنوں کے شر) سے امن قائم نہ ہوگا تو زمین پر خدا تعالی کے بندے نہ بفراغ قلبی نماز پڑھ سکیں گے نہ کوئی اور نیک کام کرسکیں گے'' (تفسیر حقانی)

امام رازیؒ لکھتے ہیں:

احدها ان المراد قتال الکفار خاصة

یعنی ایک قول یہ ہے کہ یہاں جہاد سے مراد خاص کفار سے جہاد کرنا ہے اس صورت میں حق جہادہ کا معنی یہ ہوگا کہ یہ جہاد خالص عبادت کی نیت سے ہو اپنی شہرت یا غنیمت کی نیت سے نہ ہو۔

ومعنی حق جهاده ان لا يفعل الا عبادة لا رغبة فی الدنيا من حيث الاسم او الغنيمة

(تفسیر کبیر)

آیت مبارکہ میں جہاد سے کفار کے خلاف جنگ کرنا مراد ہے اس پر اتنے قرینے بھی موجود ہیں۔

آیت مبارکہ کی تفسیر میں دوسرا قول

ایسے تو اس آیت مبارکہ میں لفظ جہاد پر کئی اقوال ہیں مگر دوسرا مشہور قول یہ ہے کہ جہاد یہاں پر کوشش اور محنت کے معنی میں ہے تب اس میں جہاد فی سبیل اللہ بھی آ جاتا ہے اور اخلاص نیت بھی اور دین کی خاطر کی جانی والی ہر محنت اور مجاہدے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ آیت مبارکہ کا ترجمہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں ''**وجاهدوا فی الله حق جهاده**'' اور محنت کرو اللہ واسطے جو چاہیئے اس کی محنت (موضح القرآن)

آیت مبارکہ کا یہ معنی لینے پر بھی کئی قرینے موجود ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث (دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیت

میں جہاد سے مراد کفار سے جنگ کرنا ہے اسی لیے بحث کا اختتام تفسیر جلالین کی عبارت پر کیا جاتا ہے جو اکثر مفسرین کے قول کے مطابق ہے۔ وجاهدوا فی الله لاقامة دينه حق جهاده باستفراغ الطاقة فيه اور جہاد کرو اللہ تعالی کے راستے میں اس کے دین کی اقامت کے لیے جیسا کہ جہاد کا حق ہے کہ اس میں اپنی پوری طاقت صرف کی جائے (جلالین) ماخوذ از فتح الجواد فی معارف آیات الجہاد ج ۳ ص ۲۱۶

دلیل: (۲) قرآن کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کو ذکر فرمایا اور آپ کی دعوت و تبلیغ اور اس پر کفار مکہ کی طرف سے پیش آمدہ مصائب و مشکلات اور اس پر آپ کے صبر و استقامت کو بیان کرتے وقت جن الفاظ کو استعمال فرمایا وہ یہ ہیں۔

ان الذين اٰمنوا وهاجروا وجهدوا باموالهم وأنفسهم فی سبيل الله والذين اٰوو: الی آخره

ہجرت اور جہاد

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں

هم المهاجرون الذين هجروا او طانهم وتركوها لاعدائهم فی الله لله عز وجل وجاهدوا باموالهم فصرفوها للكراع والسلاح وانفقوها على كمحاويج المسلمين وانفسهم بمباشرة القتال واقتحام المعارك والخوض فی لجج المهالك.

یعنی یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے وطن چھوڑے اور اللہ تعالی کی رضا کی خاطر اپنے گھر اپنے دشمنوں کے لیے چھوڑ آئے اور انہوں نے مالوں سے جہاد کیا کہ جہاد کے لیے سامان سواری اور اسلحے پر اپنا مال لگایا اور حاجت مند مسلمانوں پر (جہاد کے دوران) خرچ کیا اور انہوں نے اپنی جان سے جہاد کیا یعنی خود جنگوں میں شریک ہوئے معرکوں کے گھمسان میں اور موت کی لہروں میں گھسے۔ (روح المعانی)

صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

’’پھر ترک وطن کیا خدا کی راہ میں وطن اور سارے مالوفات وطن کو چھوڑ کر پر دیس میں آئے پھر اپنا روپیہ خرچ کر کے سامان جہاد درست کیا پھر اپنی جانوں کو معرکہ قتال میں پیش کیا۔‘‘ (تفسیر ماجدی)

صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

انہوں نے اللہ تعالی کی خوشنودی کے لیے خویش وا قارب وطن اور فرزند وزن سب کو چھوڑ دیا یہ بات اپنے آپ کو قتل کر دینے سے کچھ کم نہیں جلا وطنی کالا پانی بھی پھانسی سے کچھ کم سزا نہیں سو جس طرح انہوں نے اپنے مذہب قدیم کو چھوڑا اسی طرح وطن قدیم سے بھی منہ موڑا۔انہوں نے اپنی جان سے اور مال سے اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کیا ہے جان کو اللہ تعالیٰ کے لیے سخت تہلکوں (یعنی ہلاکت کے مقامات) میں ڈال دیا۔

(تفسیر حقانی) ماخوذ از فتح الجواد فی معارف آیات الجہاد: جلد۲، صفحہ ۳۳۸)

آیت نمبر(۳) فلا تطع الکافرین و جاھد ھم به جهادا کبیرا

(سورۃ فرقان آیت ۵۲)

سوال: اس آیت کریمہ میں آپ کی دعوت وتبلیغ کو صرف جہاد ہی نہیں بلکہ جہاد کبیر یعنی بڑا جہاد قرار دیا حالانکہ اس میں قتل ہے نہ قتال بلکہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ صریح اور واضح حکم کفوا ایدیکم (سورۃ نساء: آیت ۷۷)’’یعنی اپنے ہاتھوں کو روکو‘‘ کے ذریعہ سے قتال کرنے کی ممانعت تھی۔

تو اگر جہاد فی سبیل اللہ صرف قتال فی سبیل اللہ ہی کا نام ہے تو قرآن کریم نے دعوت و تبلیغ کو جہاد سے کیوں تعبیر فرمایا؟

جواب: (۱) اس آیت کریمہ میں ’’جاھد‘‘ کا معنی ہے کہ کفار کو تبلیغ کرنے میں خوب کوشش کرو، انتھک محنت کرو اور اسی محنت ومشقت کے ساتھ دعوت الی اللہ کو لفظ جہاد سے تعبیر فرمایا کیونکہ لغت عرب میں ہر وہ کام جس میں مشقت اور جد وجہد ہو اس کو جہاد ہی کہا جا

تا ہے خواہ وہ کوشش اور جد و جہد کسی برے کام میں ہو یا اچھے کام میں مگر اس کو لغت عرب میں جہاد کا نام دے دینے سے وہ شریعت کا حکم جہاد فی سبیل اللہ تو نہیں بن سکتا۔

مشرکین کی اپنے دین کے لیے کوشش کو لفظ جہاد سے تعبیر کیا جانا جہاد نہ ہوگا

جواب: (۲) اگر کسی بھی فعل اور عمل کے لیے لفظ جہاد کا استعمال ہی دلیل ہے اس کے جہاد فی سبیل اللہ ہونے کی تو پھر سورۃ لقمان کی آیت کریمہ کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جس میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو حکم دیا کہ والدین کیساتھ حسن سلوک کرے اور ہمارا اور اپنے والدین کا شکر گزار بن کر رہے اور

وان جاھداک علی أن تشرک بی مالیس لک به علم فلاتطعمها
(سورۃ لقمان آیت ۱۵)

اگر تمہارے والدین خوب کوشش بھی کریں کہ تم میرے ساتھ شرک کرو تو ان کی یہ بات ہرگز نہ ماننا۔

اب دیکھیں اس آیت میں والدین کی شرک اور کفر کی طرف دعوت کو بھی لفظ جہاد سے تعبیر کیا ہے تو کیا اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ کفر اور شرک کی طرف دعوت دینا بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے کیونکہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں اس کو جہاد فی سبیل اللہ کہا ہے تو آپ اس کو کیا جواب دیں گے؟ یقیناً آپ اس کو یہی کہیں گے کہ یہاں جہاد اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ اصطلاحی اور شرعی معنی میں اور ہماری بحث جہاد بالمعنی الشرعی کے بارے میں ہے نہ کہ جہاد بالمعنیٰ للغوی کے بارے میں۔

جواب: (۳) اس بات پر پوری امت کا اتفاق ہے کہ جہاد فی سبیل للہ ایک فریضہ اور حکم شرعی ہے جو کہ مدینہ منورہ میں نازل ہوا اور "**وجاھدھم به جھاد کبیرا**" تو مکی آیت ہے اور اس آیت سے مراد بھی اصطلاح شریعت والا جہاد ہو تو پھر یہ کہنا چاہئے کہ جہاد فی سبیل اللہ مکہ میں نازل ہوا جب اس کا کوئی عالم بھی قائل نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اس آیت

سے اصطلاحی اور حکم شرعی ''جہاد فی سبیل اللہ'' مراد نہیں بلکہ مطلقاً کوشش کرنا ہی مراد ہے اور لغت عرب میں کوشش اور جد و جہد کو جہاد کہا جاتا ہے مگر اصطلاحی جہاد فی سبیل اللہ اور چیز ہے اور لغوی جہاد اور چیز ہے۔

جواب: (۴) لغت عرب میں تو صلوۃ کا معنی ہے ''تحرک الالیتین'' سرین یعنی جسم کے پچھلے حصے کو حرکت دینا اور صلوۃ کے معنی رحمت بھیجنے کے بھی آتے ہیں۔

اور صوم کے معنی لغت عرب میں رکنے کے ہیں اور حج کا معنی ارادہ کرنے کے ہیں خواہ برے کام کا ہو یا کسی اچھے کام کا۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تو صبح اٹھتے ہی اپنے سرین کو حرکت بھی دیتا ہوں اور رحمت کی دعا بھی کر لیتا ہوں لہٰذا میری یہی نماز ہے کیونکہ عربی میں اس کو نماز کہتے ہیں اور کوئی شخص کہے کہ میں ایک آدھ گھنٹے کے لیے کھانے پینے یا بات کرنے سے رک جاتا ہوں تو میرا یہی روزہ ہے کیا ضرورت ہے پورا دن بھوکا پیاسا اور محبوب بیوی سے دور رہنے کی کیونکہ لغت عرب میں تو صرف رکنے کو ہی روزہ کہتے ہیں۔

یا میں نے بیت اللہ جانے کا ارادہ کر لیا ہے اب کیا ضرورت ہے کہ ہزاروں روپے خرچ کروں اور گرمی کی شدت کا سفر برداشت کروں اور گھر سے دور رہوں کیونکہ لغت عرب میں صرف ارادہ کرنے کو ہی حج کہتے ہیں۔

تو آپ اس محقق اور مدگو کیا جواب دیں گے سوائے اس کے کہ بابا! لغت عرب سے اصطلاحات شرعیہ متعین نہیں ہوتیں بلکہ یہ تو صاحب شریعت کے متعین کرنے سے متعین ہوتی ہیں اور لغت کو لے کر شریعت کے اعمال کا حلیہ نہیں بگاڑا جاتا۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ لغوی اور اصطلاحی معنی میں مناسبت ضرور ہوتی ہے۔

اس لیے میں کہتا ہوں کہ قرآن وحدیث میں کسی بھی عمل پر لفظ جہاد کے اطلاق اور استعمال کی وجہ سے اس عمل کو شرعی اور اصطلاحی جہاد قرار دینا یہ بد دیانتی ہے یا کم علمی اور کم فہمی۔

میری گزارش ہے کہ اس مقصد کے لیے ایک بار پھر میری اس کتاب کے مقدمہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

آیت نمبر(۴) ومن جاھد فانما یجاھد لنفسہ (العنکبوت)

جواب نمبر(۱) یہ آیت مکی آیت ہے اور مکی آیات سے متعلق اگر کسی جگہ جہاد کا لفظ استعمال ہوا تو یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ اس بات پر پوری اُمت کا اتفاق ہے کہ جہاد فی سبیل للہ ایک فریضہ اور حکم شرعی ہے جو کہ مدینہ منورہ میں نازل ہوا اور مکی آیت ہے اور اس آیت سے مراد بھی اصطلاح شریعت والا جہاد ہو تو پھر یہ کہنا چاہئے کہ جہاد فی سبیل اللہ مکہ میں نازل ہوا جب کہ اس کا کوئی عالم بھی قائل نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اس آیت سے اصطلاحی اور حکم شرعی ''جہاد فی سبیل اللہ'' مراد نہیں بلکہ مطلقاً کوشش کرنا ہی مراد ہے اور لغت عرب میں کوشش اور جد و جہد کو جہاد کہا جاتا ہے مگر اصطلاحی جہاد فی سبیل اللہ اور چیز ہے اور لغو جہا اور چیز ہے۔

جواب نمبر(۲) اگر کسی بھی فعل اور عمل کے لیے لفظ جہاد کا استعمال ہی دلیل ہے اس کے جہاد فی سبیل اللہ ہونے کی تو پھر سورۃ لقمان کی آیت کریمہ کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو حکم دیا کہ والدین کیساتھ حسن سلوک کرے اور ہمارا اور اپنے والدین کا شکر گزار بن کر رہے اور

وان جاھداک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم فلاتطعھما
(سورۃ لقمان آیت ۱۵)

اگر تمہارے والدین خوب کوشش بھی کریں کہ تم میرے ساتھ شرک کرو تو ان کی یہ بات ہرگز نہ ماننا۔

اب دیکھیں اس آیت میں والدین کی شرک اور کفر کی طرف دعوت کو بھی لفظ جہاد سے تعبیر کیا ہے تو کیا اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ کفر اور شرک کی طرف دعوت دینا بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کو جہاد فی سبیل اللہ کہا ہے تو آپ اس

کو کیا جواب دیں گے؟ یقیناً آپ اس کو یہی کہیں گے کہ یہاں جہاد اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے نہ کہ اصطلاحی اور شرعی معنی میں اور ہماری بحث جہاد بالمعنی الشرعی کے بارے میں ہے نہ کہ جہاد بالمعنی اللغوی کے بارے میں۔

آیت نمبر(۵) **والذین جاھدو افینا لنھدینھم سبلنا وأن اللہ لمع المحسنین.**

(سورۃ عنکبوت آیت ۶۹)

جو لوگ ہمارے لیے محنت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب ورضا اور اپنی جنت کے راستے دکھاتے ہیں۔

سوال: یہ آیت مکی ہے اور اس آیت کریمہ میں صاف طور پر دین کی محنت کو جہاد فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کا معنی صرف قتال ہی نہیں بلکہ دینی محنت وکوشش کو بھی جہاد کہہ سکتے ہیں۔

جواب: (۱) سورۃ عنکبوت اگرچہ مکی ہے مگر یہ خاص آیت کریمہ اگر مدنی ہے (جیسا کہ عام طور پر مدنی سورتوں میں مکی آیات اور مکی سورتوں میں مدنی آیات بھی شامل ہیں) تو پھر اس میں بحث کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ قتال فی سبیل اللہ کرنے والے کے لیے راہ جنت اور راہ قرب خداوندی بہت جلد کھول دئے جاتے ہیں۔

اور اگر یہ آیت کریمہ مکی ہے تو اس کا مطلب بڑا صاف اور واضح ہے کہ جو لوگ بھی اللہ تعالی کے لیے مشکلات برداشت کرتے ہیں اللہ تعالی ان کے دلوں کو منور فرمادیتے ہیں قرب خداوندی کی منازل وہ لوگ طے کر لیتے ہیں اور ظاہری بات ہے کہ جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ لغت عرب میں تو ہر کوشش اور محنت کے لیے لفظ جہاد ہی استعمال ہوتا ہے مگر اس سے اصطلاحی ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں تعمیم اور وسعت کہاں سے ثابت ہوئی؟

جواب: (۲) فعل ''جاھد یجاھد'' بروزن ''فاعل یفاعل'' کا مصدر ''مفاعلہ'' آتا ہے

اور ’’فعال‘‘ بھی۔اس مقام پر جو ’’جاھد وا‘‘ استعمال فرمایا ہے اس کا مصدر ’’مجاہدۃ‘‘ ہے نہ کہ ’’جہاد‘‘ اور ہماری گفتگو ’’جہاد فی سبیل اللہ‘‘ کے بارے میں ہے نہ کہ مجاہدات کے بارے میں اس لیے اس میں کوئی شبہ والی بات باقی ہی نہیں رہ جاتی۔

باقی رہی یہ بات اس جگہ ’’جاھد وا‘‘ کا مصدر ’’مجاہدۃ‘‘ ہے اس کے لیے دیکھئے تفسیر عثمانی جس میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں۔

یعنی جو لوگ اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے اور سختیاں جھیلتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں اللہ تعالی ان کو ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا اور اپنے قرب ورضا اور جنت کی راہیں سمجھاتا ہے۔جوں جوں وہ ریاضات ومجاہدات میں ترقی کرتے ہیں اس قدر ان کی معرفت وانکشاف کا درجہ بلند ہوتا جاتا ہے اور وہ باتیں سمجھنے لگتے ہیں کہ دوسروں کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔

راہ خدا میں جو بھی مشقت اٹھائے گا
یعنی کہ جان و مال سبھی کچھ لٹائے گا
کیونکر نہ حق تعالی کو پھر رحم آئے گا
وہ ہر قدم پر رشد و ہدایت دکھائے گا

حضرت سفیان بن عینیہ رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے فرمایا: جب آپ لوگوں میں اختلاف دیکھیں تو اس وقت مجاہدین اور محاذوں پر برسر پیکار غازیوں کے ساتھ ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ہدایت کا وعدہ فرمایا ہے۔لَنَهْدِيَنَّهُمْ (کہ ہم انہیں ضرور بضرور ہدایت دیں گے)

وقال سفيان بن عينية لابن المبارك اذا رأيت الناس قد اختلفو فعليك بالمجاهدين و اهل الثغور فان اللّٰه تعالٰى يقول لَنَهْدِيَنَّهُمْ (القرطبى)

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ’’جو لوگ ہمارے دین کی حمایت کے لیے مشرکوں

سے جہاد کریں گے ہماری دستگیری اوراعانت انہیں حاصل ہوگی۔‘‘ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

اکثر مفسرین کے نزدیک چونکہ یہ آیت مکی ہے اس لیے جُہد، محنت اور مشقت کے معنیٰ میں ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں تو اعلیٰ درجے کا جُہد ہوتا ہے تو یہ وعدہ اس کے لیے بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔ (تفسیر فتح الجواد فی معارف آیات الجہاد: جلد۴، صفحہ۵۴۲)

حق تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم صحیح سمجھنے کی اور صحیح سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آیت نمبر(۶) يجاهدون فى سبيل الله ولا يخافون لومة لآئم

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر (کچھ) عرب دین سے پھرے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یمن سے مسلمان بلائے، ان سے جہاد کروایا کہ تمام عرب مسلمان ہوئے یہ ان کے حق میں بشارت ہے۔ (موضح القرآن)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان:

اللہ تعالیٰ کی محبوب اس مجاہد قوم کی صفت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

هم للمؤمنين كالوالد للولد والسيد للعبد وهم فى الغلظة على الكفار كالسبع على فريسته. (القرطبى)

وہ ایمان والوں کے لیے ایسے ہوں گے جس طرح والد اپنے بیٹے کے لیے اور مالک اپنے غلام کے لیے اور وہ (اسلام دُشمن) کافروں پر ایسے سخت ہوں گے جس طرح شیر اپنے شکار پر۔

خلفائے راشدین کی حقانیت:

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فدل بهذا تثبيت امامة ابی بكر و عمر و عثمان وعلي رضی اللّٰه عنهم لا نهم جاهدوا فی اللّٰه عزوجل فی حياة رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم وقاتلوا المرتدين بعده ومعلوم ان من كانت فيه هذه الصفات فهو ولی اللّٰه تعالٰی. (القرطبی)

اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تصدیق ہوئی کیونکہ ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی مرتدین سے قتال کیا اور یہ بات واضح ہے کہ یہ صفات جس میں بھی ہوں گی وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے۔(القرطبی)

ملامت کی پرواہ کس چیز میں؟

اکثر بڑے مفسرین حضرات نے اس کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ وہ لوگ جہاد اور دین کی نصرت کے معاملے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے اور وجہ یہ لکھی ہے کہ منافقین اپنے کافر یاروں کی ملامت اور تنقید کے ڈر سے جہاد میں نہیں جاتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ جہاد سے روکنے کے لیے کافر قوتیں ہمیشہ ملامت، اعتراضات اور تنقید کا جال بچھاتی ہیں۔مگر جو پختہ ایمان والے ہوتے ہیں، وہ ان کے اعتراضات،تنقید اور ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔مگر وہ منافق جو کافروں کے ہاں مقبولیت چاہتے ہیں،اس تنقید سے گھبرا جاتے ہیں اور خود کو جہاد سے لاتعلق ظاہر کرتے ہیں۔ملاحظہ فرمایئے تفسیر کبیر بیان القرآن اور قرطبی وغیرہ۔حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اور دین اور جہاد کے مقدمہ (یعنی معاملہ) میں وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی

ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے، جیسا کہ منافقین کا حال ہے کہ دبے دبائے جہاد میں جاتے تھے مگر اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کفار جن سے دل میں دوستی ہے ملامت کریں گے یا اتفاق سے جن کے مقابلہ میں جہاد ہے وہی اپنے دوست یا عزیز ہوں تو سب دیکھتے سنتے طعن کریں گے کہ ایسوں کو مارنے گئے تھے؟ (بیان القرآن)

عجیب نکتہ:

اس سے یہ نکتہ معلوم ہوا کہ کافر ہر زمانے میں جہاد کے خلاف تنقید اور اعتراضات کا طوفان اُٹھاتے ہیں، پس جہاد پر وہی ثابت قدم رہ سکتا ہے جو اس نام نہاد بدنامی سے نہ گھبرائے اور وہ عظیم کام کرتا چلا جائے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ کے ان محبوب بندوں کی اہم صفات جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ امام نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یقاتلون الکفار یعنی کفار سے قتال کریں گے۔ (المدارک)

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت:

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفی صفة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انه الضحوک القتال فهو ضحوک لاولیائه قَتَّالٌ لاعدائه.

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوب ہنس مکھ اور بہت جہاد فرمانے والے تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کے لیے ضحوک (خوب ہنس مکھ) اور اپنے دُشمنوں کے لیے "قَتَّالٌ" (خوب جہاد فرمانے والے) تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

(تفسیر فتح الجواد جلد ۱، صفحہ ۵۱۲-۵۱۷)

آیت نمبر(۷) فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة (التوبۃ:۱۲۲)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’جہاد فرضِ عین نہیں ہے بلکہ فرضِ کفایہ ہے، اس لیے کہ اگر تمام لوگ نکل گئے تو پیچھے ان کے اہل وعیال تباہ ہو جائیں گے۔ پس ایک فریق ان میں سے جہاد کے لیے نکلے اور دوسرا فریق علاقے میں رہ کر دین سیکھے اور مجاہدین کے اہل وعیال کی حفاظت کرے، پھر جب مجاہدین واپس آجائیں تو مقیم رہنے والے ان کو شریعت کے وہ احکام سکھائیں جو انہوں نے پیچھے رہ کر سیکھے اور وہ جو کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نیا نازل ہوا وہ ان کو بتائیں۔‘‘ (قرطبی)

امام ابوحیّان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’یہ پوری ترتیب اس صورت میں ہے جب مسلمان کافروں تک اسلام پہنچانے کے لیے ان کے علاقوں اور ملکوں پر جہاد کر رہے ہوں لیکن اگر دُشمن مسلمانوں کی طرف بڑھنے کا ارادہ کرلے تو پھر ہر مسلمان پر اس سے دفاع کے لیے جہاد لازم ہو جائے گا۔‘‘

وهذا كله فى الأنبعاث الى غزو العدو على الدخول فى الاسلام، واما اذا الم العدو بجهة فيتعين على كل احد القيام بذبه و مكافحته. (البحر المحيط)

تقریر حضرت لاہوری رحمہ اللہ:

’’جذبۂ جہاد‘‘ پیدا کرنے کے لیے پہلے تعلیم الٰہی کے عام کرنے کی ضرورت ہے، اس تعلیم کے لیے پہلے ہر جماعت میں سے چند آدمی نکل کر جائیں، وہ تعلیم پا کر آئیں اور پھر اپنی قوم کے بچہ بچہ کو ذہن نشین کرائیں تاکہ اعلان جہاد کے وقت مسلمان بخوشی میدان جہاد میں آجائیں۔‘‘ (حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

محاذِ جنگ کبھی خالی نہ رہے:

’’جب جہاد ہمیشہ ہی فرضِ کفایہ ہے اور علومِ دینیہ کو زندہ رکھنا بھی ضروری ہے اور مجاہدین کی خانگی حاجات اور ضروریات بھی ہیں تو ایسا کرنا ضروری ہوگا کہ فرضِ کفایہ کو قائم رکھنے کے لیے ایک جماعت جہاد میں چلی جایا کرے اور ان کی واپسی پر بلکہ ان سے پہلے ہی دوسری جماعت جہاد کے لیے روانہ ہوجایا کرے، جو لوگ علوم میں مشغول تھے وہ مجاہدین کے پیچھے ان کے گھر والوں کی خیر خبر رکھیں اور جب وہ واپس آجائیں تو ان کو احکام شرعیہ بتائیں، قرآن وحدیث کی تعلیم دیں۔‘‘ (انوار البیان)

اہلِ علم غور فرمائیں:

بالفرض ایک بہت بڑی اور بھاری چیز ہے۔ اس کے ساتھ کفایہ کا لفظ لگنے سے اس کی اہمیت کم یا ہلکی نہیں ہوجاتی۔ بعض ناواقف لوگ فرضِ کفایہ کو سنت اور نفل سے بھی ہلکا سمجھتے ہیں لیکن فرض تو ایک قطعی اور لازمی حکم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ’’کفایہ‘‘ کا لفظ لگنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں سے اتنے لوگ اس فرض کو ضرور ادا کریں کہ ’’کفایت‘‘ ہوجائے۔

حضرت مولانا عبدالحق حقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں تو کسی کو جہاد سے باز رہنا (یعنی پیچھے رہنا) درست نہیں اور بعد میں (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد) یہ بات حسب ضرورت ہے یعنی اگر مقابلہ کے لیے سب کا جانا ضروری ہو تو سب ورنہ بعض کا جانا کافی ہے۔‘‘ (تفسیر حقانی)

اب یہ دیکھا جائے کہ اس وقت اُمت مسلمہ کی طرف سے یہ فرض کفایہ کون ادا کر رہا ہے؟ یاد رہے کہ فرضِ کفایہ وہ جہاد ہے جو مسلمان خود جا کر قائم کرتے ہیں، کافروں کے علاقوں اور ملکوں کی طرف مسلمانوں کے لشکر جاتے ہیں۔ پہلے ان کو اسلام کی، پھر جزیے کی

دعوت دیتے ہیں اور نہ ماننے کی صورت میں قتال کرتے ہیں۔ یہ جہاد جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس اُمت کو دے گئے تھے آج کس علاقے میں ہو رہا ہے؟ اہلِ علم اس پر غور فرمائیں اور قرآن پاک کے جہادی احکامات اور فضائل مسلمانوں کو کھول کھول کر بتائیں تو کچھ بعید نہیں کہ یہ نعمت مسلمانوں کو واپس مل جائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قوت، طاقت اور نصرت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

اگر اللہ پاک کی نصرت سے یہ نعمت مسلمانوں کو واپس مل گئی تو ان پر سے ذلت اور مغلوبیت کا طوفان بھی ہٹ جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(تفسیر فتح الجواد: جلد ۳، صفحہ ۱۳۹)

تنبیہ

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت سے متعلق تفصیلات لکھنے کے بعد احقر ایک بنیادی بات عرض کرتا ہے اور وہ یہ کہ اگر قرآن کریم یا حدیث شریف میں کسی مقام پر لفظ جہاد یا لفظ فی سبیل اللہ مجاہدہ نفس کے معنی میں استعمال ہو گیا ہے اور دین کے لیے جد و جہد اور کوشش اور مشقت و تکلیف اٹھانے پر اطلاق ہو گیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاد جو اسلام کی خاص اصطلاح ہے اسے بول کر اور اس کے فضائل سنا کر ان دینی کاموں میں لگے ہوئے انسانوں کو مجاہدین شمار کیا جانے لگے یا ان پر جہاد کے احکام اور مسائل و فضائل چسپاں کیے جانے لگے کیونکہ ان آیتوں سے زیادہ سے زیادہ جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ بس اتنی ہے جس کو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ کسی فعل ثواب پر عبادت کا اطلاق اسکی حقیقت شرعیہ کو نہیں بدلتا یا مجاہد کو ساز و سامان دینے والے پر مجاہد کا اطلاق حقیقی جہاد نہیں ہوتا۔

اصطلاح شریعت میں ہر عبادت کا اپنا ایک شرعی اصطلاحی مفہوم ہے

الحمد للہ اللہ تعالیٰ کا احسان اور کرم ہے کہ جس نے ہمیں ایک ایسے دین کا ماننے والا بنایا جو

نہایت واضح اور صاف شفاف ہے اور انتہائی جامع اور پورے نظام زندگی کے احکام پر مشتمل ہے جس میں اعتقادیات، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات کے تمام پہلوؤں کو بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور شریعت مطہرہ نے ہر عبادت کا الگ نام اور الگ حکم مقرر فرمایا ہے عبادات کیا معاملات تک کے الگ الگ نام رکھے ہیں اور ان میں کسی بھی قسم کا اجمال اور ابہام نہیں رکھا بلکہ ہر عبادت کو الگ نام دے کر دوسری عبادت سے اور ہر معاملہ کو الگ نام دے کر دوسرے معاملہ سے الگ کر دیا اور خلط ملط کے دروازے بند کرتے ہوئے امۃ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام پر بہت بڑا احسان کر دیا۔

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ جس عبادت کو حق تعالیٰ شانہ نے جو نام دیا ہے وہ نام اسی عبادت کے لیے استعمال ہو۔ آیئے اب چند عبادات کو اسی اصول کے پیش نظر دیکھتے ہیں۔ مگر اس گفتگو کو شروع کرنے سے پہلے گزارش ہے کہ آپ ضد، تعصب، تعنت اور تشدد کی عینک اتار کر میرے موقف کو پڑھیں اور ایک ایک لفظ پر توجہ دیں تو ان شاء اللہ میری بات کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور میرا مقصد بھی صرف یہ ہے کہ ہمارے سادہ لوح مسلمان بھائی نام نہاد مفکرین اسلام کے بے تکے اور بے جا پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر حقائق سے دور نہ نکل جائیں۔

یہ حضرت انسان کی کس قدر خوش بختی اور سعادت مندی ہے کہ شریعت مطہرہ نے قرآن وسنت میں تمام عبادات کے نام، مسائل، احکام، فضائل ومناقب اور ترک عمل کی صورت میں تحذیرات وتھدیدات اور وعیدوں کو بھی بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ مثلا

صلوۃ

یعنی نماز ایک ایسی عبادت کا نام ہے جس کے لیے بدن کپڑوں اور جگہ کا پاک ہونا قبلہ رو ہونا شرط ہے اور جس میں تکبیر تحریمہ، قیام، رکوع، سجود اور تشہد بھی ہے اور قرآن وسنت میں جو فضائل نماز کے لیے آئے ہیں وہ بھی اسی نماز کے لیے ہیں جس کے اندر یہ ساری

چیزیں پائی جائیں۔

صوم

یعنی روزہ ایک ایسی عبادت کا نام ہے جس میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک روزے کی نیت کے ساتھ کھانے پینے اور بیوی سے ہمبستر ہونے سے رکنا ہے اور روزے پر جو فضائل بیان ہوئے ہیں وہ بھی سب اسی روزے کے لیے ہیں۔

حج

ایک ایسی عبادت کا نام ہے جس میں احرام، تلبیہ، طواف کعبہ، وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ، رمی جمار،

حلق وقصر اور سعی بین الصفاء والمروہ ہے اسی پر حج کے فضائل وارد ہوئے ہیں۔

جهاد فی سبیل الله

ایک ایسی عبادت ہے جس میں بدن کی ورزش، تیر، تلوار، نیزہ، زرہیں، خود گھوڑے اور موجودہ زمانے کے اعتبار سے جس میں گن، پسٹل، گرنیڈ، ٹینک، توپیں، جنگی جہاز اور بارود وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔ جس میں مسلمان کافروں کو قتل کرتے ہیں تو غازی کہلاتے ہیں، کافروں کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں تو شہید کہلاتے ہیں کافروں کے مال کو چھینتے ہیں تو بطور غنیمت کے پاکیزہ رزق سمجھ کر کھاتے ہیں اور نعمت خداوندی سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، مردوں کو زندہ پکڑتے ہیں تو غلام بناتے ہیں اور عورتوں کو زندہ پکڑتے ہیں تو باندیاں بنا کر بغیر نکاح ان سے لذت جماع حاصل کرتے ہیں اور یہ سب اللہ تعالی کی طرف سے مسلمانوں کے لیے انعامات ہیں۔

اسی طرح شریعت مطہرہ نے ان عبادات میں (جو کہ دین اسلام کی روح ہیں اور ان کے بغیر مذہب کا تصور بھی بے حقیقت اور بے معنی سی چیز بن جاتی ہے) بعض عبادات کو بعض دوسری عبادات پر فضیلت دی ہے اگر چہ فی نفسہ ہر عبادت کو اپنے اپنے مقام اور محل،

اپنے اپنے وقت اور موقع پر ادا کرنا ہی اصل فضیلت کی چیز اور حصول کمال کا ذریعہ ہے۔

مگر یہ بات تو بڑی بدیہی اور واضح ہے کہ کسی بھی عبادت کے اجر وثواب میں کمی بیشی کا عمومی معیار تو اس عبادت میں مشقت اور عدم مشقت ہی ہے۔یعنی جس قدر کسی عبادت میں مشقت اور تکلیف زیادہ ہوگی اسی کے بقدر اس کا اجر وثواب بھی بڑھتا چلا جائے گا اور دنیا میں سب سے قیمتی چیز مادیات میں نفس انسانی یعنی حضرت انسان کی جان اور پھر اس کے بعد مال ہے جس سے یہ بات بخوبی معلوم ہوسکتی ہے کہ جس عمل میں جان و مال کی قربانی ہو گی وہ عمل بھی باقی تمام اعمال سے فضیلت میں بڑھ کر ہوگا اور اس کا مقام اور مرتبہ بھی دوسرے اعمال شریعت سے کہیں زیادہ ہوگا۔

اب آیئے دیکھیں کہ وہ کونسا عمل ہے جس میں نفس انسانی اور مال خرچ ہوتا ہے؟ تو ہمیں یہ عمل جہاد ہی نظر آتا ہے جس میں کہیں تو جان کی ضرورت زیادہ اور کہیں مال کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے یعنی موقع کے مناسب یا یوں کہہ لیں کہ انسانی طبعیتوں کے موافق کسی کے نزدیک جان مال سے قیمتی اور کسی کے ہاں مال جان سے زیادہ قیمتی ہے کوئی تو جان لٹاتا ہے مال کی خاطر اور کوئی مال لٹاتا ہے جان کی خاطر۔

اسی بنا پر قرآن کریم نے بھی جہاد فی سبیل اللہ کو بیان فرماتے ہوئے کہیں تو جان کو مقدم فرمایا اور کہیں مال کو مقدم فرمایا ہے جہاد فی سبیل اللہ میں چونکہ قیمتی ترین دونوں چیزیں یعنی جان ومال خرچ ہوتی ہیں تو شریعت مطہرۃ نے اس مبارک عمل کو ”**ذروۃ سنام الدین**“ یعنی دین اسلام کی کوہان قرار دیا۔یعنی جس طرح اونٹ کے پورے جسم میں کوہان کو باقی تمام اعضاء پر فوقیت ہوتی ہے بلندی میں اسی طرح جہاد کو شریعت کے تمام اعمال میں بلند مقام ومرتبہ حاصل ہے۔

جہاد اور لغت عرب

یہ تو تھی اس مبارک عمل ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی حقیقت، مگر لفظ جہاد چونکہ عربی لفظ ہے اور لغت عرب میں اس کا معنی کوشش کرنا، خوب جد وجہد کرنا ہے اور میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ قرآن کریم نے بھی بعض مقامات پر اس لفظ کو لغوی معنی میں استعمال فرمایا ہے بلکہ شریعت مطہرہ نے بسا اوقات جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت وعظمت کے پیش نظر ترغیب دینے کے لیے بعض دوسری عبادات پر مجاز الفظ جہاد کا اطلاق کیا تو بعض کم علم بلکہ (معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ) بعض اصحاب علم واصحاب قلم حضرات کو بھی اس سے اشتباہ پیدا ہو گیا ہے اور انہوں نے دین کے ہر ایسے کام کو جس میں معمولی سی مشقت، کوشش اور جد وجہد نظر آئی اسے جہاد قرار دے دیا۔ حالانکہ یہ سراسر ناانصافی اور زیادتی ہے کیونکہ جب شریعت مطہرہ نے ہر عمل اور ہر عبادت کے لیے اسکے مناسب الگ نام تجویز فرمادیئے تو ہم کو کیا ضرورت پیش آئی کہ ہم خواہ مخواہ اعمال وعبادات کے نام اور احکام کو آپس میں خلط ملط کریں۔

دیکھیئے! اگر کوئی مزدور جون کی گرمی یا اگست کی حبس میں لوہے کی فیکٹری یا اینٹوں کے بھٹہ پر کام کرتا ہے یا کوئی کسان سخت گرمی کے موسم میں گندم وغیرہ کی کٹائی کرتا ہے اور پیاس کی شدت کو برداشت کرتا ہے اور بھوک کی سختیاں جھیلتا ہے مگر اس کے باوجود نماز تو کیا رمضان کے روزہ کو بھی قضا تک کرنا گوارہ نہیں کرتا۔

یا کوئی تاجر بے ایمانی اور سود خوری کے سمندر میں خود کو بچا رہا ہے اور بازار کی غلاظت و گندگی میں نظروں کی حفاظت کر رہا ہے اور سخت مشغولیت ومصروفیت کے وقت ظہر یا عصر کی اذان سنتے ہی دکان بند کر کے اللہ تعالی کے دربار (مسجد) میں حاضری دے رہا ہے۔

یا کوئی شخص سردی یا سخت گرمی کے موسم میں کاندھے پر بستر اٹھائے اپنے خرچ پر گھر سے بے گھر سفر میں، دل میں اللہ کے دین کی فکر اور زبان پر اللہ کا ذکر لیے ہوئے گناہ گار انسا

نیت کا تعلق مخلوق سے کاٹ کر خالق سے جوڑنے کے لیے سرگرم عمل ہے اور لوگوں کی کڑوی کسیلی باتیں اور کہیں سخت تذلیل تک برداشت کرتے ہوئے اپنے کام کو جاری رکھے ہوئے ہے اور حالات کے مدمقابل اللہ تعالی کی نصرت کی امید کرتے ہوئے گھر گھر دین کی دعوت کو لیے جا رہا ہے۔

یا کوئی مسلمان بہن یورپ کے غلیظ، ننگے اور بدبودار ماحول میں حالات سے ٹکراتی ہوئی پردہ کر رہی ہے اور اپنی عزت کے تحفظ کے لیے دنیا بھر کی ناراضگی برداشت کر رہی ہے اور گناہ کی آلودگی سے خود کو بچا رہی ہے اور قدم قدم پر آنے والی رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے ایک اللہ کی رضا مندی کی خاطر دنیا بھر کی ناراضگی مول لے رہی ہے۔ تو بے شک یہ کارنامے قابل صد تحسین ہیں قابل رشک اور قابل قدر بلکہ قابل تقلید ہیں یہ بہت بڑی قربانی ہے، بہت بڑا مجاہدہ ہے، بڑی ہمت کا کام ہے اور ان کے اخلاص اور اس دوہری مشقت اور تکلیف کی وجہ سے ان کا اجر و ثواب یقیناً عام نمازی سے زیادہ عام روزے دار سے بڑھ کر اور عام تاجر سے بہت آگے اور عام عورتوں کے پردوں سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔

یہ تاجر اس عمل کی وجہ سے قیامت کے دن انبیاء کے ساتھ ہوگا بلکہ ممکن ہے کہ ان کا اجر و ثواب بسا اوقات مشقت و تکلیف اور اخلاص و للّٰہیت کی بناء پر مجاہد اور غازی سے بھی آگے نکل جائے۔

مگر ان سب کے باوجود اس مزدور اور کسان کی عبادت، روزے اور تاجر کی نماز اور اس داعی کی دعوت و تبلیغ یا عورت کی پاکدامنی و پردہ کو ہم جہاد کا نام دے دیں یہ ناممکن ہے۔ ان سب حالات کے باوجود پردہ پردہ ہی رہے گا روزہ روزہ اور نماز نماز اور دعوت دعوت ہی رہے گی۔

ان حضرات کے ان مبارک اعمال کو جہاد فی سبیل اللہ کا نام دینا یہ شریعت کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی ہے اور تحریف فی الدین ہوگی جو کہ ایک مسلمان کے لیے ناقابل

برداشت ہے بلکہ ہم جہاد فی سبیل اللہ کا نام صرف اورصرف اللہ تعالی کے راستے میں کافروں کو قتل کرنے اور خود قتل ہونے کو دیں گے یا ایسے انفاق مال اور دعوت کو جو کہ اس قتال فی سبیل اللہ کے لیے معاون ثابت ہو۔

احادیث مبارکہ کی روشنی میں جہاد کے معنی کا تعین

آیات قرآنیہ کے ذکر کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کے صحیح معنی کے تعین کے لیے احادیث شریفہ کا تذکرہ کیا جائے اور انکی تشریح وتوضیح میں حضرات محدثین کرام کے اقوال کو مختلف معتبر شروح احادیث سے سامنے لایا جائے کیونکہ درحقیقت قرآنی آیات کی تفسیر اور تبیین وتوضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اقوال وافعال کی روشنی میں سب سے زیادہ صحیح اور درست ہوتی ہے نیز اسی کے ساتھ ساتھ ایسی معتبر لغات کی کتابیں جو خاص طور پر قرآنی الفاظ کے اصطلاحی اور شرعی معانی اور مطالب کو بیان کرنے کے لیے معتبر سمجھی جاتی ہیں تا کہ اس سلسلے میں پائے جانے والے شبہات اور مغالطات بآسانی دور کئے جاسکیں اور ہر اس شخص پر حق واضح ہو جائے کہ جو سمجھنے کے بعد ماننے کے لیے ہٹ دھرمی والا مزاج نہ رکھتا ہو گو کہ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کو ماننے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور نہ زبردستی اپنی بات تسلیم کرائی جاسکتی ہے۔

دلیل : (ا) عن بشير ابن الخصاصية رضى اللّٰه عنه قال اتيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لا با يعه فقلت علام تبا يعنى يا رسول الله فمدرسو ل اللّٰه صلى الله عليه وسلم يد ه فقال تشهد أن لا اله الا اللّٰه وحده لا شريک لـه وأن محمدا عبده و رسوله وتصلى الصلوات الخمس لو قتها وتؤدى الز كاة المفروضه وتصوم رمضان وتحج البيت وتجاهد فى سبيل الله فقلت يا رسو ل الله كلااطيق الا اثنين فلا اطيقهما الزكاه والله مالى الا عشر ذودهن رسل اهلى وحمو لتهن واما الجهاد

فـانـی رجـل جبـان ویـزعـمـون من ولی فقد باء بغضب من الله و اخاف ان حضر القتال ان اخشع بنفسی فافر فابوء بغضب من الله فقبض رسول الله یـد ہ ثـم حـر کهـا ثم قال یا بشیر لا صدقة ولا جهاد فبما اذن تدخل الجنة قلت یا رسول الله ابسط یدک ابا یعک فبسط یده فبا یعته علیهن کلهن

(کنز العمال ج۲ ص ۱۲)

حضرت بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہونے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے کن چیزوں پر بیعت فرمائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور فرمایا تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور پانچوں نمازیں وقت پر پڑھو زکوٰۃ ادا کرو رمضان کے روزے رکھو، بیت اللہ کا حج کرو اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرو۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ تمام کام کروں گا لیکن دو کام نہیں کر سکتا ہوں ایک زکوۃ کیونکہ میرے پاس دس اونٹ اور اونٹنیاں ہیں ان کے دودھ پر میرے گھر والوں کا گزارا ہوتا ہے اور وہی ان کے بار برداری کے کام آتے ہیں اور دوسرا جہاد کیونکہ میں بزدل آدمی ہوں اور لوگ کہتے ہیں کہ جو میدان جنگ سے پشت پھیرے گا وہ اللہ کے غضب کو لے کر لوٹے گا۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر دشمن سے لڑنا پڑ گیا اور میں گھبرا کر میدان جنگ سے بھاگ گیا تو میں اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور ہاتھ ہلاتے ہوئے فرمایا کہ اے بشیر جب تم نہ زکوۃ دو گے اور نہ جہاد کرو گے تو کس عمل کے ذریعہ جنت میں داخل ہو گے میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنا ہاتھ بڑھائیں اور میں بیعت ہوتا ہوں چنانچہ آپ نے ہاتھ بڑھایا اور میں ان تمام اعمال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہو گیا۔

میرے بھائیو دوستو اور بزرگو!

اگر جہاد کا معنی قتال کے علاوہ کوئی اور بھی ہوتا تو حضرت بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ یہ کیوں فرماتے کہ میں بزدل ہوں اور جنگ سے بھاگ آنے کے خوف کا اظہار کیوں کیا؟ یا العیا ذ باللہ اگر صحابی جہاد کا معنی نہیں سمجھ سکا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرما دیتے کہ جہاد کا معنی صرف لڑنا نہیں ہے تم دین کے دوسرے کام کرو جن میں مشقت ہے یہ سارے ہی جہاد ہیں۔

تو میرے دوستو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل اس بات پر گواہ ہے کہ جہاد کا معنی صرف اور صرف قتال ہی متعین ہے۔

(۲) قیل ماالجهاد؟ قال : ان تقاتل الكفار اذا لقيتهم، قيل فاى الجهاد افضل ؟ قال من عقر جواده واهريق دمه (كنز العمال ج ا ص ۲۷

ترجمہ: پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! جہاد کیا چیز ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد یہ ہے کہ تم مقابلہ کے وقت کفار سے لڑو، کہا گیا کہ افضل ترین جہاد کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس شخص کا جہاد افضل ترین جہاد ہے، جس کا گھوڑا میدان میں کٹ مرے اور خود اس کا خون فوارہ کی طرح گرے۔

(۳) قال فاى الهجرة افضل ؟ قال : الجهاد قال وما الجهاد قال ان تقاتل الكفار اذا لقيتهم ولا تغل ولا تجبن(كنز العمال ج ا ص ۷٦

ترجمہ: صحابی نے پوچھا کون سی ہجرت سب سے افضل ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ جہاد کی ہجرت سب سے افضل ہے، صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ جہاد کیا چیز ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بوقت مقابلہ کفار سے تمہارا لڑنا جہاد ہے، جبکہ تم اس میدان میں نہ تو بزدلی دکھاؤ اور نہ خیانت کرو۔

اقوال محدثین کرام واکابرینِ عظام

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں جہاد کی لغوی اور پھر شرعی تعریف اس طرح کی ہے

الجھاد بکسر الجیم ھو المشقة لغة وشرعا بذل الجھد فی قتال الکفار

(فتح الباری ج۲ ص۴)

جہاد جیم کے کسرہ کے ساتھ لغت میں محنت ومشقت کے معنی پر ہے اور اصطلاح شرع میں کفار کے خلاف لڑنے میں اپنی پوری طاقت کو استعمال کرنے کا نام جہاد ہے۔

ملا علی قاریؒ نے بھی اسی طرح کی تعریف اپنی کتاب مرقات میں لکھی ہے:

الجھاد شرعا بذل المجھود فی قتال الکفار

یعنی اپنی پوری توانائی کو کفار سے لڑنے میں صرف کرنے کا نام جہاد ہے۔

(۴) **امام راغب اصفہانیؒ** نے اپنی کتاب مفردات القرآن میں جہاد شرعی کی تعریف اس طرح سے لکھی ہے:

الجھاد ھو استفراغ الوسع فی مدافعة العدو

(مفردات القرآن ص۹۹)

یعنی اپنی پوری طاقت کو دشمن اسلام کفار وغیرہ کے مقابلے میں صرف کرنے کا نام جہاد ہے۔

(۵) **منتہی الارب** میں جہاد کی تعریف اس طرح کی ہے:

''**الجھاد:** قتال با دشمنان'' یعنی دشمنان اسلام سے لڑنے کا نام جہاد ہے۔

(۶) **الجھاد ھو قھر الاعداء ای المحاربة مع الکفار**

(شرح شرعة الاسلام ص۵۱۷)

یعنی دین کے دشمنوں کو مغلوب کرنے اور کفار سے لڑنے کا نام جہاد ہے۔

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ

کشف الباری میں تحریر فرماتے ہیں:

جہاد کے لغوی معنی

یہ باب ''مفاعلہ'' کا مصدر ہے۔اس کے معنی محنت،مشقت اور کوشش کے آتے ہیں۔ اس معنی میں بکسر الجیم مستعمل ہے۔بفتح الجیم بروزن ''سحاب'' سخت بنجر زمین کو کہا جا تا ہے۔

اصطلاحی تعریف:

جہاد کی اصطلاحی تعریف ہے:''قتال الکفار لتقویة الدین'' یعنی دین کی مضبوطی اور استحکام کے لیے کفار سے لڑنا۔

(شرح الکرمانی ج۱۲ص۹۲)ماخوذ از کشف الباری ج اکتاب السیر والجہاد صفحہ ۴۶)

جہاد کی ان تمام تعریفات میں کفار سے لڑنے کا لفظ موجود ہے لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئیے کہ وہ جہاد شرعی کو اسی مفہوم میں قبول کرے،جس مفہوم کو احادیث اور پھر شارحین حدیث نے پیش کیا ہے اور ہر مسلمان کو چاہئے کہ جہاد کے اس شرعی مفہوم اور اس کے لغوی مفہوم کے درمیان تمیز کرے اور ہر محنت کو جہاد نہ کہے، کیونکہ شرعی احکام کا مدار ان کے شرعی اصطلاحی مفہومات پر ہوتا ہے،لغوی مفہومات پر نہیں ہوتا۔

دیکھئے صلوٰۃ لغت میں دعاء کو کہتے ہیں،مگر دعاء کے معنی پر نہیں بولا جاتا، بلکہ اپنے اصطلاحی شرعی مفہوم پر بولا جاتا ہے، جو مخصوص ارکان پر مشتمل ایک مخصوص عبادت ہے۔اسی طرح زکوۃ لغت میں بڑھوتری اور تزکیہ کے معنی پر ہے،مگر اس کا شرعی مفہوم لیا جاتا ہے جو ایک معین مقدار کا مال ہے،صوم لغت میں تھوڑی دیر کے لیے کھانے پینے سے رکنے کو کہا جاتا ہے،مگر اس کا الگ شرعی اصطلاحی مفہوم ہے، وہی مراد ہوتا ہے، حج لغت میں قصد و ارادہ کو کہتے ہیں مگر شریعت میں اس کی الگ تعریف ہے، اسی کی روشنی میں اس کو لیا جاتا ہے۔

بالکل اسی طرح لفظ ''جہاد'' ہے، یہ لغت میں محنت ومشقت کے معنی پر ہے مگر اسلام میں اس کو اصطلاحی شرعی مفہوم میں پیش کیا گیا ہے اور سلف وخلف نے اس کو اسی اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے پہچانا ہے ہاں جہاں شریعت نے اس کو مقید کر کے لغوی معنی پر لیا ہے تو وہاں اس قید کی وجہ سے لغوی معنی پر لیا جائے گا لیکن جب یہ لفظ مطلق ذکر ہو جائے تو وہاں اس کا اصطلاحی مفہوم ہی مراد ہوتا ہے۔

عصر حاضر کے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی **محمد تقی عثمانی مدظلہ**

تقریر ترمذی میں تحریر فرماتے ہیں کہ جہاد کے لفظی معنی تو اگر چہ کوشش اور ''محنت کے ہیں اور اللہ تعالی کے دین کے لیے جو کوئی محنت اور کوشش کی جائے وہ سب لغت کے اعتبار سے ''جہاد'' میں داخل ہے۔لیکن اصطلاح میں ''جہاد'' اس عمل کو کہا جاتا ہے جس میں کسی دشمن یا کافر کا مقابلہ کیا جائے، چاہے مقابلے کی یہ صورت ہو کہ دشمن نے ہم پر حملہ کر دیا اور ہم اس کے حملے کا دفاع کر رہے ہیں یا ہم خود کسی دشمن پر جا کر حملہ آور ہو رہے ہیں۔دونوں صورتیں جہاد میں داخل ہیں اور یہ دونوں صورتیں مشروع ہیں۔(تقریر ترمذی ج۲ص۱۹۹)

فائدہ

جہاد کی تعریف کی مناسبت سے حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم کی دو باتیں اور ذکر کرتا چلوں جن میں سے ایک تقریر ترمذی اور دوسری فتاوی عثمانی میں ہے احقر کے اس رسالے کے پڑھنے والے کو توجہ اور دھیان کے ساتھ ماننے کا جذبہ لیکر ان دو باتوں کو پڑھنا چاہیے۔

نمبر(۱)(جہاد کے بارے میں تبلیغی جماعت کا موقف) ایک طالب علم نے سوال کیا ہے کہ تبلیغی جماعت کی کون سی کتاب یا تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہاد کی ابتدائی فرضیت سے انکار کرتے ہیں کیا علماء کرام نے تبلیغی جماعت کے علماء اور امراء کو اس بات پر متنبہ کیا ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے مختلف حضرات کی طرف سے لوگ میرے پاس آکر بہت کچھ نقل کرتے رہتے تھے کہ تبلیغی جماعت کے فلاں صاحب نے تقریر میں یہ

کہا اور یہ کہا کہ اس وقت جہاں کہیں جہاد ہو رہا ہے، چاہے وہ کشمیر ہو یا بوسنیا ہو وہ جہاد شرعی نہیں ہے اصل چیز تو دعوت ہے۔ اس قسم کی باتیں لوگ میرے پاس آ کر نقل کرتے تھے لیکن چونکہ نقل کے اندر غلطی اور غلط فہمی کا امکان رہتا ہے جب تک خود براہ راست نہ سن لیا جائے۔ اس لیے ان باتوں کو میں نے کبھی جماعت یا جماعت کے بزرگوں کی طرف منسوب نہیں کیا ہے لیکن جماعت کے بزرگوں سے جب کبھی ملاقات کا موقع ملا ان کو ان باتوں کی طرف متنبہ ضرور کیا کہ یہ باتیں سننے میں آتی رہتی ہیں آپ حضرات تحقیق کریں۔ اگر یہ باتیں صحیح ثابت ہوں تو ان کا سدباب کریں۔

لیکن اب جماعت کے ایک سرکردہ اور بڑے مقتدر بزرگ جن کا میں بہت احترام کرتا ہوں ان کا ایک خط پڑھنے کا اتفاق ہوا جو انہوں نے ایک صاحب کے نام لکھا تھا جن کے نام وہ خط تھا انہوں نے وہ خط مجھے بھیج دیا۔ اس خط کے اندر تحریر کا سارا رخ اس طرف ہے کہ گویا اس وقت جہاد کی طرف توجہ کرنا یا جہاد کی بات کرنا جہاد کے بارے میں سوچنا یا جہاد کے بارے میں کوئی اقدام کرنا کسی طرح بھی درست نہیں بلکہ جہاد تو اصل میں دعوت کے لیے ہے۔ اگر دعوت کی آزادی ہو تو اس صورت میں نہ صرف یہ کہ جہاد کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ وہ مضر ہے۔ ساتھ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابھی یہ بات لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے لیکن رفتہ رفتہ سمجھ میں آ جائے گی۔ <u>یہ بات ایسی نہیں ہے کہ اس پر خاموش رہا جائے۔</u> چنانچہ اس سلسلے میں پھر ہم نے جماعت کے ان حضرات سے زبانی گزارش بھی کی جن سے رابطے ہیں اور بڑوں تک یہ بات پہنچانے کا اہتمام کیا کہ یہ بات جو پیدا ہو رہی ہے یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ یہ خط میرے پاس موجود ہے اگر کوئی پڑھنا چاہے تو پڑھ لے۔

(تقریر ترمذی ج۲ ص۲۰۹، ۲۱۰)

اسی کو حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے فتاویٰ عثمانی میں بڑے درد اور دُکھ کے ساتھ یوں تعبیر کیا ہے:

''یہ بات احقر کی فہم ناقص سے بالاتر ہے کہ تبلیغ میں نکلنے پر ہمیشہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جہادُ' واقعات سے استدلال کیا جاتا ہے لیکن عملاً جہاد کے بارے میں طرز عمل یہ ہے کہ گویا جہاد کوئی شرعی فریضہ ہی نہیں ہے بلکہ اسے عملاً منسوخ سمجھا جاتا ہے اور جہاد کی بعض اوقات مخالفت بھی کی جاتی ہے۔'' (فتاوی عثمانی: جلد ا، صفحہ ۲۷۰)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ صاحب احسن الفتاوی

ارشاد فرماتے ہیں جہاد ایک وسیع المعنی لفظ ہے دین کی خاطر جو محنت و مشقت اور جدوجہد کی جائے وہ جہاد کے وسیع مفہوم میں داخل ہے پھر آگے ارشاد فرماتے ہیں البتہ جہاد کا حقیقی مصداق قتال فی سبیل اللہ ہے باقی شعبوں پر اس کا اطلاق مجازاً کیا جاتا ہے۔

(احسن الفتاوی: جلد ۶، صفحہ ۲۸)

شارح علوم ولی اللّٰہی استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

جہاد کی تعریف اور اس کے شرعی اور صحیح معنی کی توضیح یوں فرماتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ غلط معنی کے مراد لینے پر تنبیہ فرماتے ہیں چنانچہ تحفۃ الالمعی ج۴ص ۱۵۱ پر موجود ہے۔

جہاد قرآن وحدیث کی ایک خاص اصطلاح ہے اس کے معنی ہیں دین کی حفاظت اور سربلندی کے لیے دشمنان اسلام سے لڑنا۔ ''جاھد العدو مجاھدۃ و جھادا'' کے معنی ہیں: دشمن سے لڑنا اور ''جاھد فی الامر'' کے معنی ہیں کسی کام میں پوری طاقت لگانا پوری کوشش کرنا اسی سے مجاہدہ ہے۔

قرآن وحدیث میں یہ لفظ مختلف طرح استعمال کیا گیا ہے کہیں صرف جہاد اور مجاہدہ آیا ہے،

کہیں اس کے ساتھ فی سبیل اللہ ملایا ہے

اور کہیں اس کے بعد اللہ یا اللہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر آئی ہے

اسی طرح فی سبیل اللہ بھی کبھی تنہا آیا ہے

اور کبھی جہاد کے مادہ کے ساتھ آیا ہے۔

پس جہاں لفظ مجاہدہ مطلق آیا ہے یا اس کے بعد "فی اللہ" آیا ہے یا "فینا" آیا ہے وہ آیتیں عام ہیں مفسرین کرام ان جگہوں میں لفظ "دین" محذوف مانتے ہیں جیسے "جاھدوا فی اللہ حق جھادہ" یعنی اللہ کے دین کے لیے پوری طاقت خرچ کرو اور "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا" یعنی جو لوگ ہمارے دین کے لیے انتہائی کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنی راہیں سجھاتے ہیں یہ آیات پاک دین کی ہر محنت کے لیے عام ہیں کسی بھی لائن سے دین کی محنت کرنے والے اس کا مصداق ہیں۔

لیکن جہاں لفظ جہاد آیا ہے

یا مجاہدہ کے مادہ کے ساتھ فی سبیل اللہ آیا ہے

یا صرف فی سبیل اللہ آیا ہے

جیسے مصارف زکوۃ کے بیان میں اور انفاق کی فضیلت میں تو ان سب جگہوں میں خاص اصطلاحی معنی مراد ہیں سورۃ التوبہ میں جہاں بھی اس قسم کی آیات آئی ہیں شاہ عبد القادر صاحب دہلوی قدس سرہ نے اور ان کی اتباع میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے "لڑنا" ترجمہ کیا ہے۔ اور حدیث کی کتابوں میں جو ابواب الجھاد اور فضائل ابواب الجھاد آئے ہیں وہاں بھی یہی خاص اصطلاحی معنی مراد ہیں آپ غور سے یہ ابواب پڑھیں فی سبیل اللہ کی ساری روایات یہاں لائی گئی ہیں معلوم ہوا کہ یہ خاص اصطلاح ہے اور جہاد کے معنی میں ہے۔

<u>لیکن تبلیغ والوں نے ان آیات کو عام کر دیا ہے اور عام نہیں کیا بلکہ اپنے کام کے ساتھ خاص کر دیا ہے وہ تبلیغ ہی کو جہاد کہتے ہیں دوسرے دینی کاموں کو مثلاً درس و تدریس اور تصنیف و تالیف وغیرہ کو جہاد نہیں کہتے</u> بلکہ ان کے عوام تو ان کو دینی کام بھی تصور نہیں کرتے اور جب انہوں نے دعوت و تبلیغ کو جہاد قرار دے دیا تو جہاد کے فضائل میں جو آیات پاک

اوراحادیث شریفہ آئی ہیں ان کو دھڑلے سے اپنے کام پر منطبق کرتے ہیں یہ سلسلہ جو تبلیغ والوں نے شروع کیا ہے صحیح نہیں پہلے ابواب البیوع کے شروع میں میں بتا چکا ہوں کہ جہاد ایک اسلامی اصطلاح ہے اور جب قرآن وحدیث میں یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے قتال فی سبیل اللہ مراد ہوتا ہے البتہ بعض کاموں کو جہاد کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے ان کے لیے یہ الحاق ہی فضیلت ہے۔

جیسے حدیث ہے "من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل الله حتی یرجع" اس میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب علم کو فی سبیل اللہ کے ساتھ الحاق کیا ہے اور یہ الحاق ہی اس کی فضیلت ہوگی قرآن وحدیث میں فضائل جہاد کی جو آیتیں اور حدیثیں ہیں وہ سب فضیلتیں نہ طالب علم پر منطبق کی جاسکتی ہیں نہ تبلیغ والوں پر یہ خاص بات یادرکھنی چاہیئے۔

اور آگے ایک مقام پر حضرت مفتی صاحب دامت برکاتھم فی سبیل اللہ کے لفظ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ تمام محدثین کا طرز عمل بھی یہی ہے وہ ایسی سب حدیثیں جن میں یہ اصطلاح "فی سبیل اللہ" آئی ہے اس کو کتاب الجہاد میں لاتے ہیں۔یعنی ان کے نزدیک یہ ایک خاص اصطلاح ہے اور ان میں آنے والے فضائل ایک خاص کام کے لیے ہیں۔

مگر تبلیغی جماعت کے حضرات ان روایات کو عام رکھتے ہیں بلکہ اپنے ہی کام کو اس کا مصداق ٹھہراتے ہیں اور ان حضرات نے مشکوۃ سے جو ابواب منتخب کئے ہیں ان میں پوری کتاب الجہاد شامل کی ہے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کا کام بھی جہاد ہے۔

حضرت مفتی سعید صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا عمر پالنپوری رحمہ اللہ کی باہمی خط و کتابت

میری اس موضوع پر حضرت اقدس مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری قدس سرہ سے گفتگو بھی ہوئی ہے اور مکاتبت بھی ہوئی ہے حضرت قدس سرہ کا موقف یہ تھا کہ ہمارا کام بھی جہاد ہے حضرت نے ایک خط میں اپنی دلیل کے طور پر ترمذی شریف کی یہی روایت مجھے لکھی تھی کہ عبایہ نے مسجد میں جانے کو فی سبیل اللہ کا مصداق ٹھہرایا ہے پھر دعوت و تبلیغ کا کام اس کا مصداق کیوں نہیں ہوسکتا؟ میں نے جواب لکھا کہ اول تو عبایہ صحابی نہیں ہیں صحابہ کے اقوال حنفیہ کے نزدیک حجت ہیں اور تابعین کے بارے میں خود امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ”ھم رجال و نحن رجال“ یعنی ان کے اقوال ہم پر حجت نہیں اگر کسی صحابی نے اس اصطلاح کو عام کیا ہوتا تو بات تھی۔ ثانیاً دعوت تبلیغ ہی اس کا مصداق کیوں؟ آپ اگر چہ ”ہی“ نہیں استعمال کرتے ”بھی“ کہتے ہیں مگر جماعت تبلیغ کے عوام نے تو اس ”بھی“ کو ”ہی“ سے بدل دیا ہے یعنی وہ اپنے ہی کام کو جہاد کہتے ہیں بلکہ وہ حقیقی جہاد کو بھی شاید جہاد نہیں مانتے۔ جہاد کے فضائل ان کے نزدیک دعوت و تبلیغ میں منحصر ہیں۔ ثالثاً دیگر دینی کام کرنے والے مثلاً تعلیم و تدریس میں مشغول اور تصنیف و تالیف میں منہمک لوگ اپنے کام کے لیے فی سبیل اللہ اور جہاد والے فضائل ثابت نہیں کرتے پھر جماعت ہی یہ روایات کیوں استعمال کرتی ہے؟ اس کے بعد حضرت کا اس موضوع پر کوئی خط نہیں آیا۔

البتہ ایک دوسرے خط میں حضرت قدس سرہ نے یہ عقلی دلیل لکھی تھی کہ جہاد حسن لغیرہ ہے، فی نفسہ تو جہاد فساد فی الارض ہے اور دعوت و تبلیغ کام فی نفسہ حسن لذاتہ ہے یہ دعوت الی الاعمال الصالحہ ہے پس جو فضیلت اور ثواب حسن لغیرہ کا ہے وہ حسن لذاتہ کا کیوں نہیں؟ میں نے جواب میں عرض کیا کہ یہ ثواب میں قیاس ہے اس لیے معتبر نہیں کیونکہ قیاس احکام شرعیہ میں چلتا ہے دیگر امور توقیفی ہیں یعنی ان کے لیے نص چاہئے نیز اجر بقدر مشقت ہوتا ہے اور یہ بات اللہ تعالی ہی

بہتر جانتے ہیں کہ کس کام میں کتنی مشقت ہے اور کس کام کا کتنا ثواب ہونا چاہئے؟ بندے یہ بات نہیں جان سکتے اور یہاں تو بات بدیہی ہے جہاد اصطلاحی کی مشقت کے پاسنگ کو بھی مروجہ تبلیغ کا کام نہیں پہنچ سکتا پھر وہ اجر وثواب اور وہ فضائل اس کام کے لیے بلکہ کسی بھی دینی کام کے لیے کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور آج تک کسی نے بھی یہ روایت دیگر کاموں کے لیے بیان نہیں کیں۔ (تحفۃ الالمعی ج۴ص۵۶۴)

ایک دوسرے مقام پر حضرت مفتی سعید صاحب دامت برکاتہم تفسیر بالرأی کی مثال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ’’ایک اور نظیر تبلیغی جماعت کا معاملہ ہے، اس جماعت نے جہاد کے تعلق سے اپنا ایک خاص نظریہ بنایا ہے وہ اپنے ہی کام کو جہاد کا مصداق سمجھتے ہیں، چنانچہ قرآن وحدیث میں جہاد کے تعلق سے جو کچھ آیا ہے وہ اپنے کام پر فٹ کرتے ہیں اور انھوں نے اپنی جماعت کے مطالعہ کے لیے مشکوۃ شریف سے جو ابواب منتخب کیے ہیں ان میں بھی پوری کتاب الجہاد اڑائی ہے، یہ بھی جہاد کی تفسیر بالرأی ہے۔

(تحفۃ الالمعی ۱۰۵/۷)

جہاد کی انواع ثلاثہ اور ان کا صحیح مطلب

دھوکہ نہ کھایئے!

جہاد کی پھر تین انواع ہیں:

(۱) جہاد بالمال

(۲) جہاد بالنفس

(۳) جہاد باللسان

پہلی نوع

جہاد بالمال یہ ہے کہ کسی مسلمان کا مال میدان جہاد میں خرچ ہو جائے کسی نہ کسی طرح میدان جہاد اور مجاہدین کو اس مال سے فائدہ پہنچ جائے مثلاً جہاد کا اسلحہ خریدنا مجاہدین کے کھانے پینے سواری اور رہنے سہنے کے انتظام میں مال کا صرف ہونا یہ جہاد بالمال ہے۔ قرآن کریم نے اس کا سب سے مقدم ذکر فرمایا ہے کیونکہ اگر مال نہ ہو تو جہاد کا کوئی شعبہ قائم نہیں رہ سکتا۔

جاهد واالمشركين باموالكم وانفسكم والسنتكم (رواه ابو داؤد)

دوسری نوع

جہاد بالنفس یہ ہے کہ آپ کی جان جہاد کے راستے میں کام آجائے خود اسی جان کے ساتھ میدان کارزار میں اتر گئے دشمن کا مقابلہ کیا یا جان دے دی یا محنتیں کیں اور غازی بن کر واپس لوٹ آئے۔ یہ نفس کے ساتھ جہاد ہے اس روایت اور قرآن کی آیت کی تشریح اس حدیث سے ہو جاتی ہے جو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کتاب الجہاد میں نقل کی ہے ”**والمجاهد من جاهد نفسه بنفسه**“ یعنی مجاہد وہ ہے جو اسی نفس کو میدان جہاد میں

ڈال کراس سے جہاد کرے یعنی اس کو واسطہ بنایا اور کفار سے مقابلہ کیا اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ اپنے نفس کی اصلاح کرو کیونکہ یہاں حدیث میں (جاھدو المشرکین بانفسکم) کے الفاظ ہیں کہ جان کے ذریعہ سے کفار سے جہاد کرو لہذا یہاں اپنے نفس سے جہاد کرنا یعنی اس کی تربیت کرنا قطعا مراد نہیں ہے بلکہ کفار سے جہاد کرنا مراد ہے۔

باقی ایک روایت ہے :

"رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الأكبر"

کہ نفس کے ساتھ جہاد دشمن کے جہاد سے بڑا ہے تو ملا علی قاریؒ نے موضوعات کبیر باب الراء میں فرمایا ہے کہ یہ ابراہیم بن عبلہ کا مقولہ ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے شاہ عبدالعزیز نے بھی فتاوی عزیزی میں اس روایت پر رد کیا ہے۔مزید گفتگو اس روایت پر آگے عنقریب آرہی ہے۔

تیسری نوع

جہاد باللسان ہے وہ یہ کہ زبان سے جہاد کی ترغیب ہو جہاد کے فضائل کا بیان ہو جہاد کے متعلق گرم گرم اشعار اور مزید ارمزیدار نظمیں ہوں کفار کو مورچہ میں للکارنا ہو سخت جملوں کا کسنا ہو دھمکی ہو اور رعب داب کے الفاظ ہوں یہ جہاد باللسان ہے جس طرح کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ وغیرہ کے اشعار ہیں اب اگر ایک شخص جہاد کے علاوہ کسی چیز کے متعلق ایک گھنٹہ تقریر کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ میں نے جہاد باللسان کیا تو یہ غلط ہے کیونکہ زبانی جہاد وہی ہے جس سے جہاد کے میدان کو فائدہ پہنچ جائے۔

آخر میں یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ چونکہ جہاد کا اسلام میں بڑا مقام ہے اور قرآن و حدیث میں اس کے بہت زیادہ فضائل ہیں اس لیے بعض دفعہ ثواب کے اعتبار سے کسی دوسرے عمل پر جہاد کا اطلاق کیا جاتا ہے تاکہ لوگ اس میں رغبت کریں اور اس کی طرف

متوجہ ہو جائیں مثلا والدہ کی خدمت کو ثواب کے اعتبار سے جہاد کہا گیا یا طالب علم کی علمی محنت کو جہاد سے یاد کیا یہ سب ثواب کے اعتبار سے ہے نہ یہ کہ اس سے آدمی مجاہد بن گیا اور جہاد کی شرعی تعریف اس پر صادق آگئی ہاں جہاد جیسا ثواب اس کو مل گیا اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی کسی عمل میں بڑی محنت اٹھاتا ہے عمدہ کام کرتا ہے اس میں مسلسل لگا رہتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا مجاہد آدمی ہے۔اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ جس طرح جہاد میں بڑی مشقت ہوتی ہے اور پھر اس کا بڑا ثواب ہوتا یہ شخص بھی اسی کی مانند ہے یہ محض تشبیہ ہوتی ہے اور وہ بھی لغوی معنی میں ثواب کے اعتبار سے تشبیہ دی جاتی ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ اطلاق جہاد کے شرعی مفہوم کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

فی سبیل اللہ کے معنی پر ایک مفصل اور جامع مضمون

اس مقام پر احقر کا دل چاہتا ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ کے متعلق ایک مفصل اور جامع مضمون تحریر کیا جائے تا کہ انصاف پسند مزاج رکھنے والا حق کا طلبگار اسکو پڑھنے کے بعد غور و فکر کرے اور اس لفظ کے استعمال سے متعلق حضرات اکابر علماء کی جو تحقیق ہے اسکو سامنے رکھ کر خود یہ فیصلہ کرلے کہ قرآن وسنت میں جب یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو کس مقام پر کونسا معنی مراد ہوتا ہے اور حق و باطل کے خلط ملط کرنے سے اپنے کو محفوظ رکھ سکے اور یہ مضمون اس لیے بھی ضروری ہے کہ بہت سی مرتبہ فی سبیل اللہ کا لفظ چونکہ کفار سے قتال کے علاوہ دوسرے دینی کاموں کے لیے استعمال ہوا ہے اس لیے بعض حضرات اس سے خود بھی دھوکہ کھاتے ہیں اور دوسرے کو بھی کسی خاص مصلحت اور غرض کی وجہ سے یا بلا قصد و ارادہ دھوکے میں مبتلاء رکھتے ہیں اور اسکو بنیاد بنا کر لفظ جہاد کے معنی کو بگاڑ دیتے ہیں حالانکہ راقم سطور کو لفظ فی سبیل اللہ کے ان معانی سے کوئی اختلاف ہے ہی نہیں اختلاف کی بنیاد تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے درمیان استعمال ہونے والا اور فقہ وحدیث کی کتابوں میں لکھا جانے والا لفظ جہاد ہے سو آیئے لفظ فی سبیل اللہ کے متعلق اس کے استعمالات مختلفہ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

سبیل اللہ کی تحقیق

یہ لفظ قرآن کریم میں تین طرح استعمال ہوا ہے۔

(۱) مطلق دین کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مطلق کا مطلب یہ ہے کہ دین کے ہر پہلو اور ہر شعبہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ دین کا کوئی بھی عمل اور کوئی بھی خدمت ہو یہ لفظ اس عام اطلاق کے اعتبار سے اس کام کو شامل ہوگا مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ، حج، تبلیغ، جہاد، تعلیم وتعلم، تصنیف، وافتاء اور دیگر معاملات دینیہ اس مطلق کو اسی طرح مطلق رکھنا پڑتا ہے۔ کسی ایک کام کے لیے اس کو استعمال تو کر سکتے ہیں لیکن دین کے کسی کام میں اس اطلاق کو منحصر نہیں کیا جا سکتا اور نہ کسی شعبہ کے ساتھ خاص کیا جا سکتا ہے۔ دین کے جتنے راستے ہو سکتے ہیں ان تمام راستوں پر یہ لفظ صادق آتا ہے۔ اسی کی طرف قرآن کریم اشارہ کرتا ہے

"والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا"

یہاں "سبل" جمع ہے "سبیل" کی کئی راستے مراد ہیں۔ اس عام اطلاق پر قرآن کریم میں صراحۃً ۲۵ آیتیں وارد ہیں۔ جیسے: الذین یصدون عن سبیل اللہ وغیرہ وغیرہ

(۲) اس لفظ کا دوسرا اطلاق مشترک ہے یعنی کبھی تو جہاد کے ساتھ خاص ہوتا ہے اور کبھی مطلق دین کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے۔

"وانفقوا فی سبیل اللہ ولاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ"

یہ اطلاق کبھی انفاق فی سبیل اللہ جہاد کے لیے آتا ہے تو سبیل اللہ سے مراد جہاد ہوتا ہے اور کبھی انفاق فی امور الدین مراد ہوتا ہے۔ اس کے لیے قرآن کریم میں صراحتہ سات (۷) آیتیں نازل ہوئیں۔

(۳) سبیل اللہ کے اس لفظ کا تیسرا اطلاق جہاد کے اصطلاحی معنی پر ہوا ہے جیسے "وجاھدوا فی سبیل اللہ" "وقاتلوا فی سبیل اللہ" یہ اطلاق خاص ہے اس کو اسی طرح خاص رکھنا ہوگا۔ ان جیسی آیتوں کو جو خاص مفہوم ومقصد کے لیے وارد ہیں عام کرنا یا

جہاد کے معنی کے علاوہ کسی اور نیک کام میں استعمال کرنا خطرناک بات ہوگی جو آدمی کو تحریف معنوی کی طرف لے جائے گی۔ اس خاص اطلاق پر قرآن کریم میں ۳۶ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ سبیل اللہ کی اس تقسیم اور اس کے اسی اطلاق خاص وعام پر فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ بار بار تنبیہ فرماتے ہیں علامہ زاہد الکوثریؒ نے بھی اس کی تحقیق کی ہے۔ فقہائے حنفیہ نے بھی اس پر بحث کی ہے تو لیجئے کچھ عبارات کے ترجمے اور حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ابن حزمؒ نے محلیٰ ج ۶ ص ۱۵۱ پر فرمایا کہ ''سبیل اللہ'' سے مراد جہاد ہے۔ (مقالات کوثری ص ۱۸۰)

(۲) علامہ نوویؒ نے اپنی کتاب ''المجموع'' (ج ۶ ص ۲۱۲) پر فرمایا ہے کہ ہمارے اصحاب اہل علم نے استدلال کیا ہے کہ لفظ ''سبیل اللہ'' سے متبادر اور عام فہم معنیٰ ''جہاد'' ہے اور یہ لفظ قرآن کریم میں بھی زیادہ تر اسی معنی پر وارد ہوا ہے اور اہل الشرع کے نزدیک ان کی گفتگو میں حقیقت شرعیہ وہی ہوتی ہے جو متبادر الی الذہن اور اقرب الی الفہم ہو۔ پس ایک لفظ جو شرعی معنی ومفہوم میں مشہور ہو اس کو چھوڑ کر لغوی معنی کی طرف جانے کے لیے ایسے قرینے کی ضرورت ہے جو شرعی حقیقی معنی مراد لینے سے روکتا ہو۔

(۳) علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابن بطالؒ نے ''سبیل اللہ'' کا اطلاق عام طاعات پر کیا ہے۔ ان کا کہنا اپنی جگہ پر ہے لیکن جب سبیل اللہ کا لفظ مطلق طور پر آ جائے تو وہاں سبیل اللہ سے جہاد مراد لینا متبادر ہے اور امام بخاریؒ نے ایک جگہ اس لفظ کو عام معنی یعنی مطلق دین پر **باب المشی الی الجمعہ** میں استعمال کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۲۳)

(۴) ابن حجرؒ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ مصنفؒ اس حدیث کو یہاں لائے ہیں کیونکہ انہوں نے لفظ ''سبیل اللہ'' کو عام معنی پر لیا ہے (یعنی مطلق دین) پس اس عموم میں جمعہ بھی داخل ہوگیا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۵۵)

(۵) **قال ابن حجرؒ: لغدوۃ فی سبیل اللہ "ای الجہاد"** یعنی سبیل اللہ

سے مراد جہاد ہے۔

فتح الباری ج٦ص١٠

(٦) امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے " **باب فضل الصوم فی سبیل الله** " اس کی شرح میں ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابن جوزیؒ نے فرمایا ہے کہ جب لفظ "سبیل اللہ" مطلق ذکر ہو جائے تو اس سے "جہاد" مراد ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج٦ص٣٦)

(٧) ابن دقیقؒ نے فرمایا ہے کہ عرف عام میں لفظ سبیل اللہ "جہاد" میں استعمال ہوتا ہے۔

(٨) صاحب ہدایہ کتاب الزکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ سبیل اللہ سے مراد غازی ہیں کیونکہ یہ لفظ جب مطلق بولا جاتا ہے تو مجاہدین مراد ہوتے ہیں۔

ان اطلاقات کو دیکھ کر اور مندرجہ بالا حوالہ جات کو پڑھ کر ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ہر اطلاق اور ہر استعمال کو اپنی اپنی جگہ پر رکھ کر اس کلمہ کو استعمال کریں اور خلط ملط ہرگز نہ کریں ورنہ تحریف معنوی ہوگی اور ثواب کے بجائے گناہ عظیم ہوگا۔

بعض احادیث شریفہ میں جہاد کا اطلاق دیگر دینی کاموں پر اوراس کی صحیح توجیہ وتشریح

اس کے بعد ان بعض احادیث شریفہ کی تشریح اقوال محدثین کی روشنی میں پیش کی جاتی ہے جن سے ہمارے بعض اہل ایمان مسلمان بھائیوں اور اہل علم ساتھیوں کو دھوکہ ہوا اور انہوں نے ان کے ذریعے یہ نعرہ لگانا شروع کر دیا کہ دین کی کوئی بھی خدمت کرنا اور دین وشریعت کے تقاضوں پر خواہشات نفس کو قربان کرنا اور مرضیات حق تعالیٰ پر زندگی گزارنا جہاد ہے حالانکہ ان تمام احادیث مبارکہ کے اندر اس لفظ کے استعمال کی کیا حقیقت ہے اور اس کی صحیح تشریح اور درست معنی ومطلب کیا ہے اسکو ہم اپنے اکابر کے اقوال کے روشنی میں پیش

کرتے ہیں۔

اور وقت کی قلت اور بے فائدہ کلام کو طویل کرنے اور کتاب کے اوراق وسطور کو بڑھانے کے بجائے چند احادیث شریفہ کے ضمن میں ایسی جامع اور مفصل معروضات پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو پڑھ کر صحیح انصاف پسند اور معتدل مزاج رکھنے والا اور علمی ذوق کا حامل دوسری احادیث نبویہ کو سمجھ سکے اور جو غلط فہمی اور اعتراض بعض احادیث کے ظاہر کو دیکھ کر جہاد کے معنی میں پیدا ہوتا ہے وہ دور ہو جائے کیونکہ یہ تمام تفصیلات ہر ہر حدیث شریف کے تحت لکھنا بلاشبہ تطویل لا طائل ہے اور کتاب کی ضخامت کو بڑھانا ہے اس لیے اب احقر وہ معروضات پیش کرتا ہے اور ہر پڑھنے والے طالب حق سے درخواست کرتا ہے کہ عناد اور ہٹ دھرمی اور اپنی رائے پر بے جا ڈھٹائی کو چھوڑ کر سنجیدگی سے غور کرے اور بات سمجھ میں آنے پر قبول کرنے سے انکار نہ کرے اور اگر پھر بھی کچھ شکوک وشبہات رہ جائیں یا ایسی چیزیں سامنے آئیں جو واقعتاً راقم سطور کی کوتاہ فہمی اور کم علمی کی بناء پر ہو تو اس پر احقر ہر اس شخص کا شکر گزار اور ممنون ہوگا جو تقریری یا تحریری طور پر فقیر پر یہ احسان کرے اور اس پر توجہ دلائے تو ان شاء اللہ تعالی کتاب کے دوسری طباعت کے موقع پر ایسے اپنے محسن کے لیے کتاب کے اندر کچھ کلمات تشکر اور دعاء کے جملے ان کے نام کے ساتھ ضرور لکھے جائیں گے۔ بس اتنی عرض ہے کہ جو بھی بات ہو وہ دلائل کے ساتھ مدلل ہو بغیر اس کے بندے کو اپنی بات کے قائل کرنے کی کوشش بالکل بے سود ہوگی سو لیجئے پیش خدمت ہے چند احادیث مبارکہ کی تفسیری تشریحات اور ان سے متعلقہ غلط فہمیوں کے مفصل جوابات۔

حدیث شریف(۱):

المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله (ابن ماجه)

اس حدیث شریف میں مجاہدہ نفس کو جہاد سے تعبیر فرمایا بلکہ اس سے ایک درجہ بڑھ کر فرمایا کہ مجاہد تو وہی ہوتا ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے یعنی اصل اور اعلیٰ درجہ کا جہاد جہاد بالنفس ہے نہ کہ قتال لہذا صرف قتال کو جہاد فی سبیل اللہ قرار دینا درست نہیں ہے۔

جواب:(۱)

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اصلی اور حقیقی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں ڈالے رکھے۔ یعنی جہاد تب جہاد ہوگا جب اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے لیے ہو اگر کسی اور مقصد کے لیے قتال کیا گیا مثلاً قومیت، عصبیت وطنیت، ریا، یا شہرت کی خاطر تو یہ ہرگز جہاد نہیں ہوگا۔

گویا اس حدیث شریف میں اصل قید ''فی طاعة الله'' ہے جس کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ ایک دوسری روایت میں ہے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص غنیمت کے لیے لڑتا ہے دوسرا شہرت اور ریا کاری کے لیے تیسرا اپنی بہادری دکھانے کے لیے لڑتا ہے تو ان میں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑنے والا کون شمار ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''من قاتل لتكون كلمة الله هی العليا فهو فی سبيل الله'' (مشکوۃ)

کہ جو شخص اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو تو صرف وہی اللہ کے راستہ میں لڑنے والا شمار ہوگا۔

جواب:(۲) اور اگر حدیث شریف کا مطلب یہ لیا جائے جو عام طور پر لیا جاتا ہے یعنی کامل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے تو آپ غور فرمائیں کہ جس طرح ایک

مجاہد اپنے نفس کے خلاف مجاہدہ کرتا ہے۔ کہ گھر سے بے گھر ہونا، والدین، اولاد، اعزہ و اقارب سے دوری، بیوی کی جدائی، مال و دولت کی قربانی، بلکہ اپنی اولاد کو میدان جہاد میں ڈال کر موت کے منہ کے سامنے کر دینا اور سخت گرمیوں، سخت سردیوں میں حالت جنگ کے خوف میں نمازوں کا اہتمام، گھروں سے بے گھر ہو کر اپنے اوپر قابو رکھتے ہوئے حدود شریعت کا خیال کرنا، اپنی سب سے قیمتی چیز جان کو خطرات میں ڈال کر اللہ تعالی کی رضا کی تلاش کرنا کیا اس کی کوئی مثال پیش کر سکتا ہے؟ تو نفس کے خلاف جہاد بھی تو مجاہد سب سے بڑھ کر کرتا ہے۔

یہ انجماد لھو باعث فساد ہی ہے جہاد نفس کا مطلب بھی تو جہاد ہی ہے

جواب:(۳)

اور اگر حدیث شریف کا مطلب یہ لیا جائے کہ اصل اور کامل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے یعنی میدان جنگ گرم ہو مسلمانوں کی عزتوں، مال، جان، ماؤں، بہنوں کی عصمت و ناموس کو خطرہ لاحق ہو، اور مسلمانوں کو حضرت کے خون کی ضرورت ہو اور حضرت پسینہ دینے سے بھی گریز کرتے ہوں شریعت میدان میں آنے کا تقاضا کرے اور حضرت اپنے حجرہ کا دروازہ کھولنے پر بھی آمادہ نہ ہوں کہ ہم نفس کی اصلاح میں مصروف ہیں۔

تو غور کر لیجیے سچ بتائے اور فیصلہ کریں کیا یہ نفس امارہ کی شرارت ہے یا نفس مطمئنہ کی عبادت، خدا پرستی ہے یا خواہش پرستی، تو یہ کتنا بڑا ابلیس لعین کا دھوکہ ہے اللہ تعالی ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

جواب(۴)

اگر کوئی شخص ارکان ایمان کا بھی اقرار نہ کرے اور یہ کہے کہ مؤمن ہونے کے لیے اللہ تعالی کی ذات رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ملائکہ، قیامت، تقدیر، عذاب قبر پر عقیدہ رکھنے

کی ضرورت نہیں بلکہ کامل مؤمن تو وہ ہے جس سے لوگوں کی جانیں اور اموال محفوظ ہوں اور دلیل کے طور پر یہ حدیث شریف پیش کرے

" والمؤمن من امنه الناس علی دمائهم واموالهم"

یا کوئی شخص کلمہ طیبہ کا بھی اقرار نہ کرے اور یہ کہے کہ مسلمان ہونے کے لیے ارکان اسلام پر عقیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ کامل مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ ہوں اور بطور دلیل کے یہ حدیث شریف پیش کرے

" المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده"

یا کوئی شخص اللہ تعالی کے دین کے لیے اپنا وطن چھوڑنے والوں کی اہمیت وفضیلت کا انکار شروع کردے اور یہ کہے کہ اصل مہاجر تو وہ ہے جو گناہوں کو چھوڑ دے اور دلیل کے طور پر یہ حدیث شریف پیش کرے

"والمهاجر من هجر الخطایا والذنوب"

تو آپ ایسے بدعقیدہ اور بے دین لوگوں کے لیے کیا کہیں گے؟ ظاہر ہے کہ ان جملوں کا مطلب یہ ہے کہ عقائد صحیحہ کے ساتھ ساتھ مؤمن کو چاہئے کہ حقوق العباد کا خیال بھی کرے جس طرح حقوق اللہ کی ادائیگی کرنے والے مسلمانوں کو حقوق العباد کی رعایت سے غافل نہ ہونا چاہئے اور اللہ تعالی کے دین کی خاطر اپنا وطن اور ملک چھوڑنے والوں کو گناہ بھی چھوڑنے چاہئیں اسی طرح اللہ تعالی کے راستے میں قتال کرنے والے کو بھی حدود شریعت کی رعایت کرنی چاہئے۔

مکمل حدیث شریف یوں ہے جو کہ بطور برکت اور فائدہ کے لکھی جاتی ہے۔

عن فضالة بن عبید رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع الا اخبرکم بالمؤمن من امنه الناس علی دمائهم واموالهم والمسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده والمجاهد من

جاهد نفسه فی طاعة الله والمهاجر من هجر الخطایا والذنوب (ابن ماجه کتاب الفتن)

فائدہ جلیلہ

(جہاد بالنفس کی حقیقت اور ایک مغالطہ)

جہاد بالنفس کا معنی یہ ہے کہ اپنے نفس اور جان کو لے کر میدان جنگ میں کود پڑنا ہے جس طرح جہاد بالمال کا معنی ہے اپنے مال کو اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرنا۔ چنانچہ صاحب لمعات شرح مشکاۃ حدیث شریف ذیل کے تحت ارشاد فرمایا ہے:

”عن أنس رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم جاهدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم“ (مشکوة کتاب الجهاد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین سے جہاد کرو اپنے مالوں کے ساتھ جانوں کے ساتھ اور اپنی زبانوں کیساتھا۔ اور جہاد باللسان کی جو صورتیں صاحب لمعات نے بیان فرمائی ہیں وہ بھی سنیں۔

”بان تخوفوا هم وتوعدواهم بالقتل والاخذو النهب ونحو ذلک“

کافروں کو ڈراؤ اور دھمکاؤ کہ قتل کردیں گے پکڑلیں گے اور برباد کردیں گے۔

وبان تذمواهم وتسبوهم اذا لم یؤد ذلک الی سب الله سبحانه

اور یہ کہ ان کی مذمت کرو، ان کو گالیاں دو مگر اس قدر کہ وہ اللہ تعالی کو گالیاں نہ دینے لگیں۔

وبان تدعوا علیهم بالخذلان والهزیمة وللمسلمین بالنصر والغنیمة

اور یہ کہ ان کے حق میں رسوائی اور شکست کی بددعا کرو اور مسلمانوں کے حق میں مدد اور غنیمت کی دعا کرو

وبان تحرضوا الناس علی الغزو ونحو ذلک (لمعات شرح مشکوة)

اور یہ کہ لوگوں کو جہاد پر برانگیختہ کرو۔

دیکھئے آیت

"ان الـذیـن امنو وھاجروا وجاھدوابامو الھم وانفسھم فی سبیل اللہ"

(سورۃ انفال ۷۲)

اورحدیث شریف

"القتلی ثلثۃ مؤ من جاھد بنفسہ ومالہ فی سبیل اللہ"

قرآن وسنت میں جہاں بھی جہاد بالنفس اور جہاد بالمال آیا ہے وہاں یہ معنی ہی مراد ہے۔ مگر آج کل جہاد بالنفس کا معنی عام طور پر یہ لیا جارہا ہے کہ نفس کے خلاف جہاد کرو نفس کی خواہشات کے خلاف جہاد کرو مگر یہ تشریح جہاد بالمال کی کیوں نہیں کی جاتی۔

اے کاش جدید دور کا کوئی دانشور اس فلسفہ پر بھی روشنی ڈالے۔

جہاد اصغر و اکبر کی تحقیق و تفصیل

حدیث شریف (۲):

قدم علی رسول الله صلی الله علیه وسلم قوم غزاة فقال قدمتم بخير مقدم من الجهادالاصغر الى الجهاد الاكبر قال مجاهدة العبد هواه.

مجاہدین کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف خوب بہتر طور پر لوٹ آئے ہو۔ کسی نے عرض کیا کہ جہاد اکبر کیا ہے؟ تو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کا اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرنا۔ (تفسیر کشاف)

اس روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے مجاہدہ اور اصلاح نفس کو جہاد ہی نہیں بلکہ جہاد اکبر فرمایا ہے اس روایت کی اس قدر وضاحت کے بعد تو جہاد فی سبیل اللہ کا معنی صرف قتال سے کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

مضمون ہذا سے متعلق ایک تمہیدی پس منظر

اس حدیث شریف کے متعلق محدثین کرام کی گفتگو پیش کرنے سے پہلے ایک تمہید پیش خدمت ہے جو دعوت جہاد صفحہ ۵۱ پر موجود ہے کہ جب قوموں کا زوال شروع ہوتا ہے تو ان کی ہمتیں پست ہو جاتی ہیں اور جب ہمتیں پست ہو جاتی ہیں تو پھر زبان پر کمزور جملے آتے ہیں دل و دماغ میں ہر وہ فلسفہ بیٹھ جاتا ہے جو آدمی کو پستی کی طرف لے جاتا ہے پھر اس وقت دشمن آرام سے بیٹھ جاتا ہے اور زوال پذیر قوم خود بخود اپنے زوال کے منصوبے بناتی رہتی ہے چنانچہ اسلام کا سنہرا دور جب چلا گیا اور اسلام کے بلند و بالا جھنڈے نیچے اترنے لگے اور عزت و عظمت اور شان و شوکت کے بعد جب مسلمان مجموعی اعتبار سے پستی کی

طرف کرنے لگے تو ان کے ہاں ایسے معذرت خواہانہ جملے رائج ہونے لگے جن کی روشنی میں آرام طلبی سہولت پسندی کے اچھے مواقع تو فراہم ہو گئے لیکن اس کے ضمن میں مسلمان کسی کارنامے کردار یا تاریخ سازی کی حیثیت سے محروم ہو گئے اسی محرومی کے زمانے کا ایک جملہ گھڑا گیا اور اس کو حدیث کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی تا کہ اس کی برکت سے مسلمانوں کے جذبات کا رخ اعداء اسلام کے بجائے اپنی ہی جانوں کی طرف مڑ جائے اور ''قہر درویش بر جان درویش'' کا مکمل مصداق بن جائے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے جس جملے کو حدیث کا نام دے کر اس کی خوب تشہیر کی گئی وہ اوپر ذکر کردہ جملہ ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا: "**هذا حديث لا اصل له**" یعنی اس کی کوئی اصل نہیں۔(تنظیم الاشتات شرح مشکوٰۃ جلد۱ ص۶۹ بحوالہ التعلیق الصبیح اور تفسیر بیضاوی۔

اس طرح شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے فتاوی عزیزی ص۱۰۲ میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ کلام صوفیاء کرام کی کتابوں میں اکثر پایا جاتا ہے اور یہ ان کے نزدیک حدیث نبوی ہے بلکہ بعض علماء محدثین نے بھی یہ عبارت ذکر کی ہے اس غرض سے کہ اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ نفس کیساتھ جہاد کرنا افضل ہے مگر مجھ کو یاد نہیں کہ حدیث کی کسی کتاب میں یہ عبارت میں نے دیکھی ہے، بہر حال جہاد اکبر سے مراد یہ نہیں کہ جہاد سے فارغ ہو کر واپس آئے بلکہ جہاد اکبر سے یہ مراد ہے کہ نفس اور شیطان کے ساتھ جہاد کیا جائے یہ تفسیر صوفیاء کے خیال کے مطابق ہے اور جمیع علماء کے خلاف ہے کہ متنفر ہے، اس واسطے کہ مراجعت یعنی واپس آنا لفظ "رجعنا" سے مفہوم ہوتا ہے۔

مشارع الاشواق الی مصارع العشاق مترجم اردو (فضائل جہاد) کے مقدمہ ص۳۰ پر لکھا ہے کہ دشمنانِ اسلام نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے پاس دفاع کے لیے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد ایک عظیم بنیادی طاقت ہے اور جب تک جہاد قائم رہے گا تو دشمنان اسلام کے پیر کہیں جم نہیں سکتے کیونکہ جہاد کی برکت اور اللہ تعالی کی مدد سے مسلمانوں نے

نصف صدی سے بھی کم مدت میں آدھی دنیا کو فتح کر لیا۔

تاریخ کے صفحات پر جب کفار نے اس چیز کو دیکھا تو انہوں نے جہاد کو توڑنے اور اسے کمزور کرنے کے لیے کئی سال تک گٹھ جوڑ کر کے غور وخوض کیا یہاں تک کہ انہوں نے اس مشکل کا حل ڈھونڈ لیا اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو آسائش وآرائش میں ڈال کر جہاد سے ہٹا لیا جائے پھر اس کے لیے کفار نے ایک مہذب طریقہ اختیار کر لیا اور وہ یہ کہ انہوں نے جہاد کی اصغر اور اکبر کی طرف تقسیم کر دی کہ نفس کے ساتھ جہاد بڑا جہاد ہے اور کفار سے جہاد کرنا چھوٹا جہاد ہے۔

پھر اس مقصد کے حصول کے لیے دشمنان اسلام نے احایث گھڑ لیں اور اس کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت سے مسلمان اسے جلدی قبول کر لیں گے چنانچہ انہوں نے **رجعنا من الجهاد الصغر الى الجهاد الاكبر** کی حدیث گھڑی جو حضوا کرم صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح جھوٹ ہے اور احادیث کی کتابوں میں مطلقاً یہ حدیث موجود نہیں۔ بلکہ ابراہیم بن عبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ابراہیم بن عبلہ رحمہ اللہ تعالی اگر چہ ثقہ آدمی ہے، حدیث کا اثر کمزور مسلمانوں پر اس طرح ہوا کہ انہوں نے جب دیکھا کہ نفس وشیطان کا مقابلہ بڑا جہاد ہے تو وہ کفار سے جہاد کرنے سے باز آئے اور کنارہ کش ہو کر تسبیح اور ذکر وفکر میں مشغول ہو کر دنیا کو کفار کے لیے خالی چھوڑ گئے تو کفار غالب آ گئے اور مسلمان غلام ہو کر رہ گئے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس عبارت سے ذرا مختلف ایک اور حدیث کا ذکر کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے جب واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا: خوش آمدید خوش آمدید تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے ہو۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا کہ بڑا جہاد کون سا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بندے کا اپنی خواہشات کے خلاف مجاہدہ کرنا بڑا جہاد ہے۔

اس حدیث پر بھی محدثین نے جرح کی ہے۔ چنانچہ اس میں ایک راوی ''خلف بن محمد خیام'' ہے حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کی حدیثیں نا قابل اعتبار ہیں اور ابو یعلی خلیلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بہت ہی ضعیف تھا ان کو اشتباہ ہوتا تھا اور کبھی ایسی حدیثین نقل کرتا تھا جن کا کسی کو پتہ نہیں ہوتا تھا۔ ابو زرعہ رحمہ اللہ نے بھی ان کی روایت کردہ حدیثوں سے برائت کا اعلان کیا تھا اس روایت میں ایک راوی یحی بن علاء ہیں ان کے متعلق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بڑا جھوٹا آدمی تھا جو حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا ابن عدی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس آدمی کی ساری حدیثیں گھڑی ہوئی ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بعض لوگ جو یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کے غزوہ سے واپسی پر فرمایا کہ:

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر

یعنی ''ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے اس حدیث کی کوئی بنیاد نہیں ہے'' جہاد النفس اور جہاد الکفار کے متعلق ترمذی شریف کی ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے الکوکب الدری ج۱ص۴۲۵ پر اس طرح لکھا ہے

ولا يخفى ما بين الجهادين من الالتئام والايصال فان مجاهدة الكفار لاتخلو عن مجاهدة النفس ولا تتصور دونها و مجاهدة النفس اذا كملت لا تكاد تترك الرجل لا يجاهد الكفار بلسانه بسنانه.

حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب نمبر ۱۰۵ میں لکھتے ہیں:

صوفیاء کی کتابوں میں ''**رجعنا من الجهاد الأصغر الى الجهاد الأكبر**'' کو صحیح

حدیث کہا گیا ہے لیکن عسقلانی (کشف الخفاء ج اص۴۲۴) کا قول ہے کہ امام نسائی نے اسے ابراہیم بن عبلہ کا کلام بتایا ہے الفاظ کی رکاکت زبردست قرینہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہوسکتا اور نہ ہی حدیث کی متداول کتابوں میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جیسے متبحر محدث نے دیکھا ہے۔‘‘

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد۱،صفحہ۳۰۷-۳۰۸)(تعلیقات علی کشف الباری ج ا کتاب الجہاد والسیر :صفحہ۴۷)

مجاہدین وقائدین کی قرآنی تقسیم ہمارے دعوے کی واضح دلیل

ان تفصیلات کے بعد میں اس بحث کی ابتداء کی آیت کی طرف "**وفضل الله المجاهدين على القاعدين اجرا عظيما**" کی طرف لوٹتا ہوں کہ اس آیت کے مخاطب صحابہ کرام ہیں ان میں ایک جماعت آیت کے اترنے کے وقت وہ تھی جو جہاد پر نکل گئی تھی اور ایک جماعت وہ تھی جو جہاد پر نہیں نکلی اور فرض کفایہ کی صورت میں ان کو نہ جانے کی اجازت تھی البتہ جو جماعت جہاد پر گئی تھی ان کو اللہ تعالی نے دو امتیازات سے ممتاز کر دیا ایک یہ کہ بیٹھنے والوں اور نہ جانے والوں کے مقابلہ میں جانے والوں کا درجہ بہت اونچا ہے اور ان کو اجر عظیم ملے گا دوسرا یہ کہ جانے والے مجاہدین ہیں اور اس وقت جہاد پر نہ جانے والے قاعدین (یعنی بیٹھنے والے) مجاہدین نہیں ہیں اب غور کرنا چاہئے کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رہ گئے تھے، وہ سارے کے سارے نمازی تہجد گزار تھے، روزہ رکھنے والے تھے نفلی عبادات صدقات اور نفس کے ریاضات میں بہت زیادہ مشغول تھے لیکن ان تمام محنتوں اور نفس کے جہاد کے باوجود اللہ تعالی نے ان کو مجاہدین نہیں فرمایا بلکہ مجاہدین وہی ہوئے جو کفار سے لڑنے کے لیے نکلے تھے۔ اگر نفس سے مجاہدہ کرنے والا بھی مجاہد ہو جائے تو پھر "**وفضل الله المجاهدين على القاعدين**" کا کیا مطلب لیا جا سکتا ہے؟ پھر تو آیت کا مفہوم سمجھنا دشوار ہو جائے گا نیز ایک بات یہ بھی یاد رکھیں کہ سلف صالحین نے جہاد کے متعلق جتنی بھی کتابیں لکھی ہیں سب جہاد مع الکفار ہی کے حوالے سے لکھی ہیں نفس سے ریاضت کے لیے جو کتابیں لکھی گئی ہیں اس کا نام انہوں نے "کتاب الزہد" رکھا ہے آج تک اسلام میں ایک کتاب بھی ایسی موجود نہیں ہے جو کسی نے کتاب الجہاد یا فضائل الجہاد کے نام سے موسوم کر کے لکھی ہو اور اس میں نفس سے

جہاد کے مباحث درج کئے ہوں ہاں البتہ نفس کی ریاضت کے لیے جو کتابیں لکھی گئیں ہیں ان کو زہد وتقویٰ وغیرہ کے نام سے موسوم کیا ہے خود عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کی ایک کتاب ہے کتاب الجہاد اور دوسری ہے کتاب الزہد دونوں کے مباحث اور مضامین الگ الگ ہیں لہذا جہاد الکفار اور چیز ہے اور ریاضۃ النفس اور چیز ہے پھر یہ سوچیں کہ تقریباً (۵۰) ہزار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے میدان جہاد میں جامِ شہادت نوش کیا اور سارے صحابہ نے جہاد میں حصہ لیا تو کیا ان کی زندگیاں ایک ایسے کام میں صرف ہوئیں جو شریعت میں اصغر اور کم تر درجے کا تھا حاشا وکلا۔

ایک انوکھی اور عجیب وغریب تشریح از استاد محترم

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند حضرت استاد محترم حضرت اقدس مولانا مفتی محمد سعید احمد پالن پوری صاحب دامت برکاتھم العالیہ نے اپنی ترمذی کی شرح تحفۃ الالمعی ج۴ص ۵۵۵ میں اس کی یہ تشریح ذکر فرمائی ہے کہ یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس موقعے پر فرمایا۔

دوسری حدیث ”المجاہد من جاھد نفسه“ یہ ایک مستقل حدیث ہے جس کو حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کے ساتھ بیان کیا ہے اور دونوں حدیثوں میں ارتباط یہ ہے کہ سرحد کا پہرہ دینے کے لیے اور جہاد میں نکلنے کے کئے نفس سے ٹکر لینی ضروری ہے، اس کے بغیر جہاد کرنا اور سرحد پر پہرہ دینا ممکن نہیں کیونکہ یہ دونوں عمل نہایت شاق ہیں ایک میں جان کا خطرہ ہے اور دوسرے میں لمبے عرصہ تک بیوی بچوں سے دور رہنا ہوتا ہے اور گھر بار چھوڑنا پڑتا ہے اس لیے طرح طرح کے وساوس دل میں آتے ہیں پس یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے جو پہلے نفس کیساتھ جہاد کرے نفس سے لڑے بغیر جہاد میں نکلنا اور سرحد کا پہرہ دینا ممکن نہیں

فائدہ: یہاں بین السطور میں لکھا ہے:”ھذا ھو الجھاد الاکبر“ یعنی نفس

سے ٹکر لینا ہی بڑا جہاد ہے، یہ ایک دوسری حدیث کی طرف اشارہ ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک سے واپسی میں جب مدینہ قریب آیا تو یہ ارشاد فرمایا اس حدیث کا مطلب عام طور پر صحیح نہیں سمجھا جاتا۔

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ہرقل شاہ روم چالیس ہزار کا لشکر جرار لے کر مدینہ طیبہ پر چڑھائی کرنا چاہتا ہے اور مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ گیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کا لشکر لے کر اس کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے اور تبوک تک گئے جو جزیرۃ العرب کی سرحد پر ہے اور وہاں بیس دن قیام کیا مگر کوئی مقابلہ کے لیے نہیں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظفر مند واپس لوٹے آگے بڑھنا مصلحت کیخلاف تھا جب مدینہ منورہ قریب آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر" (أی ذاهبا الی الجهاد الاکبر) یعنی ہم چھوٹے جہاد سے لوٹ آئے اب بڑے جہاد کی تیاری کرنی ہے اس حدیث کا بعض لوگوں نے یہ مطلب سمجھا ہے کہ تیر وتفنگ کی لڑائی تو لڑ چکے اور یہ چھوٹا جہاد تھا، اب دل سے لڑنا ہے یعنی خانقاہوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا ہے اور یہ بڑا جہاد ہے۔ دعوت وتبلیغ والے بھی یہی کہتے ہیں کہ تبلیغ کے لیے نکلنا بڑا جہاد ہے یہ مطلب صحیح نہیں۔

حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ فوج کو غلط فہمی نہ ہو کہ رومی فوج ہمارا مقابلہ نہیں کر سکے، ہم زبردست ہیں ہم سے کوئی ٹکر نہیں لے سکتا یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو چھوٹا معرکہ تھا آگے ان سے بڑے بڑے معرکے پیش آنے والے ہیں لوٹ کر اس کی تیاری کرنی ہے غافل نہیں ہو جانا۔

یہ معرکے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آئے مسلمانوں کی رومیوں سے ہولناک جنگیں ہوئیں اس حدیث میں اسی کی پیشین گوئی ہے پس اس حدیث کو خانقاہی نظام سے جوڑنا یا دعوت وتبلیغ کے کام کو اس کا مصداق بتانا شاید خلاف واقعہ ہے۔

یہ حدیث ”رجعنا“ اور ”رجعتم“ دونوں لفظوں سے مروی ہے اور ضعیف ہے بیہقی نے اس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام غزالی رحمہ اللہ نے اس کو احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے اور خطیب کی تاریخ بغداد میں اس کے الفاظ یہ ہیں:

”قدم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم من غزاۃ فقال علیہ الصلوۃ والسلام قدمتم من خیر مقدم قدمتم من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر دون باقیہ“

ایک جہاد سے مراجعت فرما ہوئے تو ارشاد فرمایا آپ حضرات کا مدینہ لوٹنا مبارک! آپ حضرات چھوٹے معرکے سے بڑے معرکے کی طرف لوٹے ہیں۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ صحابہ نے پوچھا جہاد اکبر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دل سے ٹکر لینا اور خطیب رحمہ اللہ کی روایت میں ہے ”مجاھدۃ العبد ھواہ“ خواہش سے ٹکر لینا مگر عجلونی نے کشف الخفاء (۵۱۲:۱) میں لکھا ہے ”والمشھور علی الالسنۃ رجعنا من الجھادالاصغر الی الجھاد الاکبر، دون باقیہ“ یعنی زبان زد روایت بس اتنی ہی ہے کہ ہم چھوٹے معرکہ سے لوٹ آئے بڑے معرکے کی طرف (جاتے ہوئے) باقی الفاظ معروف نہیں یعنی یہ تفسیر بعد میں کسی نے بڑھائی ہے۔ (تحفۃ الالمعی ج۴ص۵۵۵)

روایت بالا سے متعلق مزید تفصیل ملاحظہ ہو

روایت بالا سے متعلق مزید چند مشہور ومعروف حضرات محدثین عظام کی عبارات کی روشنی میں ان کی آرا ملاحظہ فرمائیں:

صاحب مختصر علامہ محمد طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

رجعنا من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر ضعیف

(تذکرۃ الموضوعات) کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

محمد بن زیاد یقول سمعت ابن ابی عبلة وھو یقول لمن جاء من الغزو قد جئتم من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر جھاد القلب

(سیر اعلام البنلاء ج٦)

یہ حدیث نہیں بلکہ ابراہیم ابن ابی عبلۃ کا قول ہے۔

علامہ سید محمود آلوسیؒ مفتی بغداد فرماتے ہیں:

والحدیث الذی ذکرہ لا اصل لہ

اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے (روح المعانی ج٣)

حضرت علامہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اماالحدیث الذی یرویہ بعضھم انہ قال فی غزوۃ تبوک رجعنا من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر فلا اصل لہ

اس روایت کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے۔

جواب: (٢)

اگر اس کو حدیث تسلیم کرلیا جائے تو یہ قرآن کریم کی کئی آیات مبارکہ کے خلاف ہوگی اور قرآن وحدیث کے درمیان تعارض تو ہرگز ممکن نہیں لہذا یہ کہنا پڑے گا کہ یہ حدیث ہے ہی نہیں۔

دیکھئے آیت

"فضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجة

(سورۃ النساء٩٥)

اللہ تعالیٰ نے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنے والوں کا بنسبت گھر بیٹھنے والوں کے بہت زیادہ درجہ بلند فرمایا ہے۔

جواب:(۳)

اس روایت پر ایک عقلی اعتراض یہ ہے کہ رجوع کا معنی ہوتا ہے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا تو اس روایت کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جہاد اصغر سے یعنی ایسے فریضہ قتال سے جس میں اصلاح نفس اور مجاہدہ نفس نہیں ہوتا واپس آئے ہو۔ جہاد اکبر یعنی ایسے عمل کی طرف جس میں اصلاح نفس اور مجاہدہ نفس ہوتا ہے۔

تو آپ خیال فرمائیں کہ اس میں العیاذ باللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی کس قدر توہین ہے کہ اسے ضمیر برداشت کرسکتا ہے العیاذ باللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جہاد ایسا ہی تھا کہ وہ لوگ جہاد میں تو حدود شریعت، اصلاح نفس اور مجاہدات سے غفلت برتتے تھے مگر واپس مدینہ طیبہ آ کر اصلاح نفس اور مجاہدات کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ جہاد میں مجاہدہ کس حد تک ہوتا ہے اس کو تو بیان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ قتل کرنے اور قتل ہونے، زخمی کرنے اور زخمی ہونے سے بڑا کیا مجاہدہ ہوگا یہ قتل وقتال تو قرآن کریم کی تصریح کے مطابق نفس کو بالطبع اور بالذات ناپسندیدہ ہے۔

"کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم" (سورۃ بقرہ:۲۱۶)

البتہ ایسے چند ایک واقعات کی طرف اشارہ کردیا جاتا ہے جس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم عین حالت جنگ میں بھی حدود شریعت اور اصلاح نفس کا کس قدر خیال فرماتے تھے۔

(۱) حضرت عبادہ بن بشیر رضی اللہ عنہ رات کو پہرہ دے رہے ہیں اور دشمن کے تیر کھا رہے ہیں مگر نماز نہیں توڑتے کیا یہ مجاہدہ نفس نہیں ہے؟

(۲) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں اپنا کٹا ہوا اور لٹکتا ہوا بازو سارا دن ساتھ لے کر جہاد فرماتے ہیں اور زیادہ رکاوٹ بنتا ہے تو اس کو پاؤں کے نیچے دے کر کاٹ کر پھر

جہاد شروع فرماتے ہیں کیا یہ مجاہدہ نفس نہیں ہے؟

(۳) تین صحابہ رضی اللہ عنہم موت کے منہ میں ہیں اور باری باری شہادت نوش فرما رہے ہیں مگر اپنی پیاس برداشت کرتے ہوئے دوسرے مسلمان بھائی کو ترجیح دے رہے ہیں کیا یہ مجاہدہ نفس نہیں ہے؟

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہودی کو نیچے گرادیا جب سر قلم فرمانے لگے تو یہودی نے منہ پر تھوک دیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فورا چھوڑ دیا کہ اب میری ذات کا غصہ اس میں شامل ہو جائے گا کیا یہ مجاہدہ نفس نہیں ہے؟

(۵) سریۃ العنبر میں صحابہ رضی اللہ عنہم ایک ایک کھجور کی گٹھلی کو چوس کر روزانہ گزارا کرتے ہیں کیا یہ مجاہدہ نفس نہیں ہے؟

یہ چند ایک واقعات بطور نمونے کے عرض کئے ہیں۔ کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو عین حالت جنگ میں بھی اخلاص، مجاہدات اور توجہ الی اللہ سے ذرہ برابر غافل نہ رہتے تھے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ارشاد

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتھم، مہتمم دار العلوم کراچی تحریر فرماتے ہیں:

میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کسی نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ”صوفیائے کرام برسوں تک اپنے مریدوں سے جس قسم کے مجاہدے اور ریاضتیں کرواتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے صحابہ سے ایسے مجاہدے نہیں کرواتے تھے پھر صوفیائے کرام کیوں کرواتے ہیں؟“

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا (بعینہٖ الفاظ تو یاد نہیں محض نقل کر رہا ہوں۔ رفیع) بات دراصل یہ ہے کہ طریقت میں مجاہدے اور ریاضتیں مقصود نہیں ہوتے مقصود تو باطنی

اخلاق کی اصلاح ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالی کے ساتھ تعلق درست اور مستحکم ہو جائے اور نفس کو اتباع شریعت کی عادت ہو جائے۔ مجاہدے اس مقصود کو حاصل کرنے کے لیے نفس کے علاج کے طور پر کرائے جاتے ہیں تا کہ نفس مشقت کا اور اپنی خواہشات کی مخالفت کا عادی ہو جائے۔ جب یہ عادت پڑ جاتی ہے تو اتباع شریعت آسان ہو جاتا ہے اور شریعت پر عمل کرنے کے لیے صرف راہنمائی کی ضرورت رہ جاتی ہے جسے مرشد انجام دیتا ہے۔

یہ مقصود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں صرف جہاد ہی سے اس درجہ حاصل ہو جاتا تھا کہ انہیں کسی مزید مجاہدے او ور ریاضت کی ضرورت نہیں رہتی تھی وہ ایک ہی جہاد میں سلوک وطریقت کے ایسے اعلی مراتب طے کر جاتے تھے کہ دوسروں کو برس ہا برس کے مجاہدوں سے بھی حاصل نہ ہوں۔

کیونکہ جہاد خود ایک بڑا مجاہدہ ہے جو روحانی و باطنی ترقیات اور تعلق مع اللہ کے لیے اکسیر ہے۔(''یہ تیرے پراسرار بندے'':ص۱۶۹،۱۷۰)

ایک یاداشت از حضرت مولانا الیاس گھمن مدظلہ العالی

از کتاب:''اعتراضات کا علمی جائزہ''ص۱۴۳

جواب:(۴)

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہ آج سے تقریبا سترہ (۱۷) برس پہلے کی بات ہے جب میں جامع مسجد بوھڑ والی گکھڑ منڈی میں پڑھتا تھا تو استاذ محترم حضرت شیخ الحدیث امام اہل السنّت والجماعت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتھم نے صبح کے درس حدیث میں فرمایا کہ

حدیث''رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر''

(بشرطیکہ حدیث تسلیم کرلیا جائے) تو مطلب یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایک غزوہ سے

واپس لوٹے ان میں بہت سے زخمی تھے اور ایک عرصہ گھر سے باہر بیویوں سے دور رہے اور شہداء کی وجہ سے دل بھی زخمی تھے تو ایسے موقع پر ان کو دوبارہ غزوہ کا حکم ملا جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم فوراً تیار ہو گئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"رجعتم من الجهاد الاصغرا لى الجهاد الاكبر"

کہ تم ایک چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے ہو۔

ظاہر بات ہے یہاں تو غزوات میں سے ہی ایک غزوہ کو جہاد اصغر اور دوسرے غزوہ کو جہاد اکبر قرار دیا گیا ہے۔ اب کوئی اشکال کی بات ہی نہیں ہے۔

جہاد اکبر

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ جہادِ اکبر کی حقیقت کیا ہے؟ ہم اس کی تفصیل بیان کیے بغیر صرف ایک حوالہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔ (۱) علامہ محمد بن علی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ وجاهدوا فی الله حق جهاده کے تحت فرماتے ہیں:

المراد به الجهاد الاكبر وهو الغزو للكفار و مدافعتهم اذاغزوا بلادالمسلمين .(فتح القدير ج٣)

کہ کافروں سے جنگ کرنا اور ان کو دفع کرنا ہی جہاد اکبر ہے۔

متاع جان لٹانا جہاد اکبر ہے
فساد کفر مٹانا جہاد اکبر ہے

شبہ:

مگر اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ قتال اور غزوہ کو جہاد اکبر کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ قتال اور غزوات کے علاوہ دوسرے اعمال بھی جہاد ہیں اگر چہ وہ جہاد اصغر ہی سہی تو آپ کا یہ دعوی کرنا کہ جہاد کا معنی صرف قتال ہے غلط ثابت ہوا۔

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا معنی ہے قتال فی سبیل اللہ مگر چونکہ بسا

اوقات مناسبت کی وجہ سے مجازا بعض دوسرے اعمال پر بھی جہاد کا اطلاق کیا گیا ہے مگر ان میں سے بھی اصل جہاد چونکہ قتال فی سبیل اللہ ہی ہے اس لیے اس پر بسا اوقات جہاد اکبر کا اطلاق بھی کر دیا جاتا ہے۔

مگر قتال پر جہاد اکبر کے اطلاق سے ہرگز اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہئے کہ شاید قتال کے علاوہ بعض دوسرے اعمال بھی اصطلاحی جہاد فی سبیل اللہ کے تحت داخل ہیں۔

یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے عمرہ اور حج الگ الگ عبادات ہیں مگر چونکہ حج کے بعض افعال افعال عمرہ بھی ہیں جیسے احرام، سعی، حلق، قصر، طواف وغیرہ تو اس مناسبت کی بنا پر بسا اوقات عمرہ پر حج اصغر اور حج پر حج اکبر کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

براء ة من الله ورسوله الى الناس يوم الحج الاكبر . (سورة التوبة: ا)

مگر اس اطلاق اور مجازی استعمال سے کوئی شخص عمرہ کو حقیقی حج شمار کرنے لگے تو سوائے اس کے کہ اس کی عقل پر ماتم کیا جائے اور کیا کیا جا سکتا ہے؟

لطیفہ:

دینی مدارس میں آخری سال کی تعلیم کو دورہ حدیث شریف سے یاد کیا جاتا ہے اور اس سے پہلے سال کو موقوف علیہ کہا جاتا ہے کیونکہ دورہ حدیث اس پہلے سال پر موقوف ہوتا ہے جبکہ بعض حضرات دورہ حدیث کی تعلیم سے پہلے والے سال کو مشکوٰۃ شریف والا سال کہتے ہیں مگر پختون طلبہ اس بناء پر کہ مشکوٰۃ شریف والا سال دورہ حدیث کے لیے موقوف علیہ ہے اس سال کو چھوٹا دورہ کے نام سے پکارتے ہیں۔

حدیث(۳):

ان أفضل الجهاد كلمة حق عندسلطان جائر (كنز العمال)

ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف اورحق کی بات کہنا بے شک سب سے افضل جہاد ہے۔

اس حدیث شریف میں ظالم بادشاہ ے سامنے حق بات کہنے کو جہاد بلکہ سب سے افضل جہادقرار دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے زبان سے حق بات کہنا بھی جہاد ہے لہٰذا جہاد کا معنی صرف قتال ہی کوقرار دینا درست نہیں۔

جواب:(۱)

محدثین کرام نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا اس وقت ہی جہاد کہلاتا ہے جب کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں سرقلم ہو جانے کا خدشہ بلکہ یقین ہو۔

سچ یہ ہے اظہارحق سلطان جابر کے خلاف
خدشہ ہائے جان کی خاطر ہوا افضل جہاد

اس تشریح کے مطابق تو یہ حدیث بھی قتال ہی کا مصداق بن گئی کیونکہ قتال میں دو ہی شکلیں ہوتی ہیں قتل کرنا اور قتل ہونا۔

جواب:(۲) ہم یہ بات تحریر کر چکے ہیں کہ زبان سے ادا ہونے والی ایسی تقریر جو قتال ہی کی معاون ہو وہ قتال ہی کا حصہ شمار ہوتی ہے اور اس حدیث شریف میں بھی بالکل یہی صورت ہے۔

جواب:(۳) بسا اوقات کفار کے سامنے زبان کے الفاظ تیر وتلوار سے بھی زیادہ مؤثر ثابت ہوتے ہیں اور وہ جہاد ہی کا حصہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ کفار کے حوصلے پست کر کے یا کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال کر کفار کو جنگ کرنے سے باز رکھتے ہیں یا مسلمانوں کے حوصلے بلند اور ان کے دلوں کو مضبوط کر کے مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے

پر آمادہ کرتے ہیں۔

مثال:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ (اپنی گردن میں تلوار ڈالے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے) آگے آگے چل رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے

خلُّوا بنی الکفار عن سبیلہ
الیوم نضربکم علی تنزیلہ
ضربا یزیل الھام عن مقیلہ
ویذھل الخلیل عن خلیلہ

ترجمہ:

اے کافرو! ہٹ جاؤ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑ دو، آج حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ آمد پر تم کو ایسی مار ماریں گے جو کھوپڑیاں جسموں سے الگ کر دے گی اور دوست کو دوست سے جدا کر دے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ نے فرمایا:

"یاابن رواحہ بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی حرم اللہ تعالی تقول شعرا"

اے ابن رواحہ! تم حرم مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر پڑھتے ہو؟ (یعنی روکنا چاہا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خل عنہ یا عمر خل عنہ یا عمر فلھی اسرع فیھم من نضح النبل"

اے عمر! ان کو مت روکو کیونکہ آج عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار کفار پر تیروں سے زیادہ سخت ہیں (شمائل ترمذی)

لہٰذا اس پوری گفتگو سے ثابت ہوا کہ صرف اس حدیث شریف کی وجہ سے مطلقا حق بات کہنے کو جہاد فی سبیل اللہ قرار دینا قطعا درست نہیں ہے۔

اعتراض

حدیث (۴):

"عن عبد الله بن عمر وقال جاء رجل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فاستأذنه فی الجهاد فقال أحيّ والداک قال نعم قال ففيهما فجاهد" (مشكوة كتاب الجهاد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاد میں جانے کی اجازت مانگی تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمہارے والدین زندہ ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں! تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم والدین کی خدمت کر کے جہاد کرو یعنی والدین کی خدمت کرو اور تمہارا یہی جہاد ہے۔

اب اس حدیث شریف میں والدین کی خدمت کرنے کو جہاد قرار دیا تو معلوم ہوا کہ صرف قتال ہی جہاد نہیں بلکہ والدین کی خدمت کرنا بھی جہاد ہے۔

جواب: (۱)

اس میں شک نہیں کہ حقوق العباد میں سب سے بڑا حق والدین کی خدمت ہے۔

والد کی رضا کو رب کی رضا فرمایا گیا والدہ کے قدموں تلے جنت رکھ دی گئی ہے۔ اولاد کا مال والد کا مال قرار دیا گیا ہے اور شرک کے بعد سب بڑا گناہ والدین کی نافرمانی کو بتلایا گیا۔ والدین کے نافرمان کے لیے ہلاکت و بربادی کی جبرئیل علیہ السلام نے بددعاء کی اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین فرمائی۔ والدہ کی نافرمانی کرنے والے کی زبان پر

موت کے وقت کلمہ کا جاری نہ ہونا روح کا بدن سے نہ نکلنا اور تڑپتے رہنا اور والدہ کے معاف کرنے پر زبان پر کلمہ کا جاری ہوجانا اور فوراروح کا نکل جانا احادیث میں آیا ہے۔

والدین کے ان حقوق یا خدمت والدین پر واردشدہ فضائل اور نافرمانی کا بہت بڑا جرم ہونا اپنی جگہ پر مسلم ہے مگر اس سے مطلقاً والدین کی خدمت کو جہاد فی سبیل اللہ قرار دینا کسی بھی طرح درست نہیں۔ کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ کا معنیٰ متعین ہے اور وہ ہے قتال فی سبیل اللہ باقی رہا یہ اشکال کہ پھر حدیث شریف میں والدین کی خدمت کو جہاد کیوں قرار دیا گیا تو اس کا آسان اور سیدھا سا جواب یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم صرف نبی ہی نہ تھے بلکہ نبی ورسول ہونے کے ساتھ ساتھ مفتی، قاضی، امام، خطیب، مبلغ اور امیر المجاہدین بھی تھے۔ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل منصب تو نبوت ہی تھا مگر امت کو تعلیم دینے کے لیے ان باقی سارے مناصب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی فائز تھے۔ صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو جہاد کی نیت کے ساتھ حاضر ہوئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تشکیل بجائے میدان جنگ کے والدین کی خدمت پر کردی لہٰذا اس صحابی کا والدین کی خدمت کرنا صرف اس بنیاد پر جہاد نہیں تھا کہ والدین کی خدمت کرنا جہاد ہے بلکہ وہ اس بنیاد پر جہاد تھا کہ وہ امیر کی اطاعت وتشکیل کے اندر تھے۔

حیلے بہانے کر کے بچائے جو جان کو
دراصل ذات حق سے محبت نہیں اسے
مانا کہ والدین کی خدمت بھی ہے جہاد
لیکن محاذ جنگ سے نسبت نہیں اسے

توضیح:

والدین کی خدمت تو بہت بڑی بات ہے اگر امیر المجاہدین کسی شخص کو عین میدان جنگ سے پیچھے بھیج دیں اور بیت الخلاء کی صفائی پر لگادیں تو یہ بیت الخلاء کی صفائی بھی جہاد

کہلائے گی بایں معنی کے اس پر بھی جہاد کا مکمل ثواب ملے گا۔

یہ واقعہ صرف اس صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اسکی اور بھی بہت سی مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں۔

مثال:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بدری صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کے مال غنیمت میں سے برابر کا حصہ بھی دیا حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ اپنی بیوی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کی وجہ سے ان کی دیکھ بھال میں مشغول تھے مگر ان کو بدریوں میں شمار کرنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی للہ عنہ بیوی کی تیمارداری کے لیے خود نہیں ٹھہرے تھے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تشکیل فرمائی تھی۔

تو کیا اس حدیث شریف کی وجہ سے کوئی شخص بھی اپنی بیوی کی خدمت اور بیمار پرسی کو جہاد کہتا ہے جب کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں بلکہ ایک طرح سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ زیادہ مضبوط ہے کیونکہ ان کو مال غنیمت سے حصہ بھی ملا حالانکہ جنگ میں شریک بھی نہیں تھے۔

تاریخ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ آٹھ ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام ملتے ہیں جو غزوہ بدر میں شریک نہ ہونے کے باوجود بدری کہلاتے ہیں وہ صرف اس وجہ سے کہ ان کی تشکیل خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی وہ آٹھ صحابہ رضی للہ عنہم یہ ہیں۔

(۱) حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ (۲) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ (۳) حضرت ابو لبابہ انصاری رضی اللہ عنہ (۴) حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ (۵) حضرت حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ (۶) حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ (۷) حضرت بن جبیر رضی اللہ عنہ (۸) حضرت جعفر رضی اللہ عنہ

خلاصۂ کلام

لہذا اس حدیث شریف کی بناء پر بغیر امیر کی اجازت اور تشکیل کے جہاد کو چھوڑ کر از خود والدین کی خدمت میں لگے رہنا اور اس خدمت کو جہاد سمجھ کر میدان جنگ سے منہ موڑنا اور پھر خود کو مجاہد کہنا یا کہلوانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے

''این خیال است ومحال است وجنون''

مسئلہ:

اگر جہاد فرض عین ہو تو والدین کی اجازت کے بغیر بلکہ ان کے روکنے کے باوجود بھی جہاد میں جانا ضروری ہے ہاں کوشش ضرور کرنی چاہئے کہ والدین بھی بخوشی اجازت دیں اور اولاد کے جہاد کے اجر وثوب میں شریک ہو جائیں۔ اور اگر جہاد فرض کفایہ ہو تو بھی والدین کی اجازت اس وقت ضروری ہے جب کہ والدین کی خدمت کرنے والا اور کوئی نہ ہو اور اگر والدین کی خدمت کرنے والا ہو اور والدین صرف محبت کی وجہ سے اولاد کو جہاد سے روکتے ہوں تو والدین کی اجازت ضروری نہیں۔ (فیض الباری شرح صحیح البخاری)

ہمارے اکابر

اس موقعہ پر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ بانی دار العلوم دیوبند قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ نقل کروں تاکہ ہمیں اپنے اکابر کے مزاج کو سمجھنے میں مدد ملے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب جہاد کی اجازت کے لیے والدہ کی خدمت میں گئے تو والدہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: ''خدا کی راہ میں جان و مال کو فدا کر دینا کیسا ہے اور جو خوشی سے جان خدا کے حوالے کر دیتا ہے اس کا درجہ ایسا ہے (یعنی فضائل بیان کئے) کہ اب جہاد فرض ہو چکا ہے۔

یہ مسئلہ ہے کہ اطاعت خالق میں والدین کی اطاعت اگر معارض ہو تو وہ ساقط ہو جاتی

ہے۔میں چاہتا ہوں کہ آپ خوشی سے مجھے اجازت دے دیں تاکہ آپ کو بھی اجر ملے۔

والدہ: بیٹا! تم اللہ ہی کی چیز ہو خوشی سے تمہیں اللہ کے سپرد کرتی ہوں۔اگر تم زندہ آ گئے تو تم سے مل لوں گی نہیں تو آخرت میں ان شاء اللہ جلد ہی ملن ہوگا۔والدہ سے اجازت کے بعد والد کی خدمت حاضر ہوئے اور عاجزی اور نرمی سے اپنے والد سے اس عزم کا اظہار کیا۔

والد: ''ذرا میری پگڑی لے آؤ!۔''

مولانا نانوتوی: ''کیوں؟''

والد: ''تیرے ساتھ سر کٹانے آخر میں بھی تو جاؤں گا۔''

حضرت نانوتوی: ''آپ میری وجہ سے سر کیوں کٹاتے ہیں، اگر آپ کو سر کٹانا ہے تو اللہ کے لیے کٹایئے اور میرے ساتھ چلئے۔''

والدین سے اجازت لے کر آپ تھانہ بھون پہنچ گئے۔

(''حیات امیر شریعت'': صفحہ ۱۹۱)

اللہ اکبر! یہ تھے ہمارے اکابر

اے اللہ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔آمین یا رب العالمین۔

مثال:

میں مزید وضاحت کے لیے آخر میں ایک مثال عرض کرتا ہوں۔دو شخص ہیں۔ایک کا نام ریاض خان دوسرے کا نام پیاز خان۔دونوں دکاندار ہیں۔ریاض خان امیر المجاہدین صاحب کے پاس حاضر ہو کر عرض کرتا ہے:

''امیر محترم! میری جان اور میرا مال حاضر ہے، مجھے جہاد کے لیے قبول فرمایئے۔''

حضرت امیر محترم اس کے تفصیلی حالات سننے کے بعد فرماتے ہیں کہ تم اپنی دکان پر کام کرو اور مقامی سطح پر مجاہدین کے ساتھ تعاون کرو۔یہ شخص جنگ میں شریک ہونے کی فکر لیے ہوئے دکان بھی چلاتا ہے، بچوں کو بھی پالتا ہے اور مجاہدین کا تعاون بھی کرتا ہے۔

اور دوسرا شخص پیاز خان بھی دکان چلا رہا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ریاض خان بھی دکاندار ہے اور امیر محترم نے ایک کو فرمایا ہے کہ تم دکان چلاؤ، بچوں کو پالو، مجاہدین کا مالی تعاون کرو تو یہ تمہارا جہاد ہے اور میں دکان بھی چلاتا ہوں، بچوں کو بھی پالتا ہوں بلکہ میرے تو بچے بھی ریاض خان سے ایک درجن زیادہ ہیں کیونکہ میری تین بیویاں ہیں اور میں خوب جہاد کرتا ہوں اور مجاہدین سے ماہانہ تعاون بھی کرتا ہوں تو پھر مجھے جہاد کا ثواب کیوں نہ ملے گا؟ تو آپ حضرات دونوں کی ترتیب میں فرق کرلیں۔ امید ہے کہ میری اس مثال سے بات سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ ریاض خان تو اطاعت امیر میں ہے مگر پیاز خان اطاعت نفس میں مبتلا ہے۔

سوال: صحیح بخاری کی روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں عورتوں نے حاضر ہوکر جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حدیث (۵)"جهاد کن حج مبرور"

تمہارا جہاد حج مبرور (مقبول حج) ہے۔

اس حدیث شریف میں حج کو جہاد فرمایا حالانکہ حج تو الگ عبادت ہے اس سے قتل و قتال کا کیا تعلق ہے بلکہ ایک حدیث شریف میں صاف الفاظ کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا گیا ہے "**الحج جهاد لا قتال فيه**" (تفسیر الہام الرحمٰن مولانا عبیداللہ سندھی)

کہ حج ایسا جہاد ہے جس میں قتال نہیں۔ اب تو صاف معلوم ہوگیا کہ جہاد کا معنی صرف قتال ہی نہیں۔ بلکہ ہر ایسی عبادت کو جہاد کہتے ہیں جس میں مشقت اور کوشش ہو۔

جواب: (۱) حج ایک الگ اور مستقل عبادت ہے جب کہ جہاد فی سبیل اللہ ایک الگ اور مستقل عبادت ہے دونوں کے احکام بھی الگ الگ ہیں اور روایات میں بھی ان کو الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ دیکھو صحیح بخاری ہی کی دوسری حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ "**اى الاعمال افضل**" کون سا عمل سب سے افضل ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**أيمان باللّٰه ورسوله وجهاد فى سبيله.**" عرض کیا "**ثم ماذا**" یعنی

اس کے بعد تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حج مبرور''۔

اب دیکھئے کسی ایک حدیث کو لے کر نتیجہ اَخذ کرنا تو شریعت کے مزاج سے ناواقفی کی دلیل ہے۔اس لیے تمام روایات کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کریں۔

جواب:(۲)

اگر مخصوص حالات کی وجہ سے یا حاکم کے حکم کی وجہ سے عورتوں پر بھی میدان میں نکل کر جہاد کرنا فرض ہو جائے اور کوئی عورت یہ کہے میں تو حج کروں گی میں کیوں جہاد میں جاؤں کہ میرا تو جہاد حج ہے کیونکہ میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ عورتوں کا جہاد حج ہے۔تو اس کی اس دلیل اور منطق کو کیا کوئی صاحب علم تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوگا اور کیا اس کے حج کر لینے سے فریضۂ جہاد ساقط ہو جائے گا؟

جواب:(۳)

حدیث شریف کا اصل مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ عورتوں پر چونکہ عام حالات میں جہاد فرض نہیں ہے تو ان کی تسلی اور اطمینان قلبی کے لیے ارشاد فرمایا کہ جس طرح مرد حضرات میدان جنگ کی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کرتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی اگر حدود اللہ کی رعایت کرتے ہوئے حج کریں اور اس میں مشقتیں برداشت کریں مگر مکمل ارکان ادا کریں تو انکو اس حج پر بھی جہاد کا اجر مل جائے گا۔

اسی بناء پر عورتوں کا جہاد صرف حج نہیں فرمایا بلکہ حج مبرور فرمایا کیوں کہ عورت جیسی صنف نازک ذات کے لیے حج کی مشقتیں برداشت کرنا اور غیر محارم کی موجودگی میں پردہ کا اہتمام کرتے ہوئے اپنے حج کو اس طرح ادا کر جانا کہ جو مبرور یعنی کامل اور مقبول ہو جائے یہ واقعتہ کسی معرکہ سے کم نہیں ہے اس بناء پر اسپر بھی جہاد کا مجازاً اطلاق کر دیا گیا۔

گو عورتوں کے واسطے حج ہے مثال جہاد
لیکن حج بدل تو نہیں ہے جہاد کا

حج اور جہاد میں مناسبت

کچھ کمی بیشی کے ساتھ بطور فائدہ کے استاد محترم حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب خزینہ سے عبارات نقل کی جاتی ہیں:

(۱) جہاد میں ایک مرکز ہوتا ہے جس کے ساتھ مجاہدین مربوط ہوتے ہیں حج میں بھی ایک مرکز ہوتا جس کے ستھ سارے حاجی مربوط ہوتے ہیں۔

(۲) جہاد میں مجاہدین ایک امیر کے ماتحت ہوتے ہیں حج میں بھی امیر الحجاج مقرر ہوتا ہے۔

(۳) مجاہدین کی عام طور پر ایک مخصوص وردی ہوتی ہے اسی طرح حجاج کا بھی لباس احرام ہوتا ہے۔

(۴) مجاہدین کو بسا اوقات کئی ہفتوں غسل نصیب نہیں ہوتا جس سے حالت پرگندہ ہو جاتی ہے حاجیوں کی بھی تقریباً ایسی ہی حالت ہوتی ہے۔

(۵) جہاد میں ترک وطن ہوتا ہے حج میں بھی وطن کو چھوڑا جاتا ہے

(۶) جہاد میں عام طور پر مجاہدین ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے محاذ کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح حج میں بھی مکہ سے منی، منی سے عرفات، عرفات سے مزدلفہ، مزدلفہ سے منیٰ اور منیٰ سے مکہ کوچ ہوتا رہتا ہے۔

(۷) جہاد میں نظم وضبط ہوتا ہے۔ حج میں بھی اس کا اہتمام کروایا جاتا ہے۔

(۸) جہاد میں بطور خاص گناہ سے بچنے کی تلقین ہے تو حج میں بھی خصوصی طور پر تاکید ہے کہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے دور ہو۔

(۹) جہاد میں شیطان کے ایجنٹوں (کفار) کو مارا جاتا ہے۔ حج میں شیطان کی تمثیل کو مارا جاتا ہے۔

(۱۰) جہاد میں انسانی خون پیش کیا جاتا ہے تو حج میں جانوروں کا خون پیش کیا جاتا ہے

جو کہ درحقیقت فدیہ ہے انسانی خون حضرت اسماعیل علیہ السلام کا۔

(۱۱) جہاد میں فتح کے بعد مرکز کو اطلاع دی جاتی اور رپورٹ کی جاتی ہے، حج میں ارکان حج سے فارغ ہوکر بیت اللہ جو کہ مرکز ہے حاضری دی جاتی ہے۔

(۱۲) مجاہدین تکبیر کے نعروں سے فضاء کو گرم کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعلان کرتے ہیں۔ حاجی بھی تلبیہ کے ذریعے اللہ تعالی کی وحدانیت کا اعلان کرتے ہوئے دلوں کو ذکر اللہ سے گرم رتے رہتے ہیں۔ (خزینہ)

اب ان مناسبات کی بناء پر حج کو مجازاً جہاد قرار دینا وہ بھی صرف عوتوں کے لیے تو کیا اس سے یہ لازم آیا کہ حج کو جہاد کہتے ہوئے جہاد کے معنی میں ہی بلاوجہ توسیع کر دی جائے۔

جواب

الحج جهاد لا قتال فيه.

بقول حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ حج جہاد ہی کی تربیت تمرین اور مشق ہے تو ظاہری بات ہے کہ ٹریننگ میں قتل وقتال نہیں ہوتا اور اسی ٹریننگ کو آپ قتال اور جہاد سے تعبیر کرسکتے ہیں ہاں البتہ وہ جہاد کے مقدمات میں سے ہوتی ہے اس لیے اسکی اہمیت قتال سے کم بھی نہیں اور اسکو قتال کا حصہ شمار کرنا بھی ایک وجہ سے درست ہے۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کے اس کلام کا حاصل لکھا جاتا ہے جو حضرت نے اپنی تفسیر الھام الرحمٰن میں تحریر فرمایا ہے۔ (خزینہ)

حج کی مشروعیت تمرین اور اعمال حرب کی تیاری کے لیے ہے اور اس کا بیان سورۃ بقرۃ میں آیت (۱۹۶ تا ۲۰۳) میں ہے یہ تمام کی تمام آیتیں مسائل حج کے بارے میں ہیں اور حدیث میں وارد ہے۔

الحج جهاد لاقتال فيه

''حج ایک ایسا جہاد ہے جس میں قتال وجنگ نہیں'' اس کے معنی یہ ہیں کہ اعمال حربیہ کی

تمرین وترغیب کی جائے سوائے قتال اور جنگ کے اور حج کا خاصہ دو چیزیں ہیں: اوّل مسلمانوں کو حکم دیا جائے کہ اپنے نفقات ایک خاص جگہ پر جمع کریں دوم یہ کہ اعمال حرب و جہاد کی تمرین کا کریں، پھر یہ لوگ اس پر قائم ہو جائیں اور اس تمرین سے مستفید ہوں اور ان کو خالص عادت ہو جائے اب وہ ادنیٰ سی توجہ سے اعمال جہاد کرنے پر قادر ہوں گے۔

پھر جب ہم نے حدیث کو پیش کر دیا "**الحج جهاد لا قتال فيه**" تو کس کی طاقت ہے کہ حج کو اعمال جہاد سے خارج کر دے لیکن شاہان ظلم و جور اور شیاطین زھاد (**قاتلهم الله**) نے تمام اعمال مسلمین کو باطل اور خراب کر دیا۔

اسی طرح حج میں فدیہ کا حکم ہے کہ جو شخص معمولی بھی مناسک کی خلاف ورزی کرے اسکی جزاء اور بدلہ کا حکم فرمایا ہے یہی حال نظام حرب کا ہے اگر کوئی فوجی آدمی کسی مامور بہ امر کی مخالفت کرے گا تو بغیر مجازات (بدلہ) اسکو نہیں چھوڑا جائے گا تو کیا عوام کے لیے مرد ہوں یا کہ عورتیں اعمال حرب کی تمرین وترغیب اس سے بہتر طریقہ پر ممکن ہے۔

اور اعداء دین اسلام نظام قرآن کی قوت اور حج کی قوت عملیہ کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس سے اسلام کی عزت ہے اس لیے اعداء اسلام پوری قوت پوری طاقت سے ان ہر دو کی توہین و بے عزتی اور دونوں کو ضعیف و کمزور کرنے پر تلے ہوئے ہیں حج کے لیے جمع ہونے والوں پر لازم ہے کہ ان تینوں مہینوں میں چند امور اپنے لیے لازم قرار دے لیں

اول یہ کہ عورتوں کا نام (تک) چھوڑ دیں

دوم یہ کہ جو معاملات قانون میں ہیں انکی حفاظت نہ کریں فساد کو بالکل ترک کر دیں۔

سوم یہ کہ جنگ و جھگڑا قطعاً ترک کر دیں جب ایک امت کی امت ان تین امور کو تین ماہ کے لیے اپنے اوپر لازم کر لے گی تو اپنے اندر بے شمار اوصاف اجماعیہ عسکریہ پیدا کر لے گی اور یہ اس پر قادر ہو جائیں گے جیسے انہوں دوران قیام حرم قائم کیا تھا اور بغیر سلطان اور بلا حاکم کے انہوں نے اس کا التزام کیا تھا اب فتح کے بعد اسکی قدرت اور طاقت رکھتے ہیں

کہ اپنے لیے حکومت اجماعیہ متوسطہ بنالیں (خزینہ)

اعتراض:

اس اعتراض کو ذکر کرنے سے پہلے ایک واقعہ عرض کر دیتا ہوں جو خود میرے ساتھ پیش آیا ایک مرتبہ ضلع سرگودھا کے قصبہ مڈھ رانجھا میں میں اپنے مجاہد ساتھیوں کے ساتھ ملاقات کی غرض سے گیا تو میرے مجاہد ساتھیوں نے کہا کہ ہماری جامع مسجد شکرانی میں تبلیغی جماعت کے حضرات آئے ہوئے ہیں اور انہوں نے تو ہمیں پریشان کر دیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

”من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مأۃ شہید“

جس شخص نے میری ایک سنت کو ایسے دور میں تھامے رکھا جب فساد کا دور ہو تو اسکو سو شہیدوں کا اجر ملے گا۔

آپ لوگ خواہ مخواہ افغانستان کے پہاڑوں میں جا کر مشقتیں برداشت کرتے ہیں گھر سے دور رہ کر والدین کو بھی پریشان کرتے ہیں اگر جہاد کے راستہ میں شہید بھی ہو گئے تو صرف اکیلے شہید ہوں گے اور ایک شہید کا اجر ملے گا اس لیے ادھر ہی رہ کر دین کی محنت کرو ہر روز کئی سنتیں زندہ کرو اور ہزاروں بلکہ لاکھوں شہیدوں کا اجر حاصل کرو۔

واقعہ یہ ہے کہ اس حدیث شریف اور اس جیسی دیگر احادیث شریفہ کو جو کہ دین کی اشاعت کے لیے تھیں آڑ بنا کر بعض دین دشمن منافقین یا بعض سادہ لوح دین دوست مسلمان دوسرے مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں خود بھی تباہ ہو رہے ہیں اور دوسروں کو بھی تباہ کرتے ہیں اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس حدیث شریف کی وضاحت کر دوں۔

جواب (۱)

ایک اہم بات تو یہ ذہن نشین فرمالیں کہ سنت کی دو قسمیں ہیں سنت عادت و سنت عبادت یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اعمال اللہ تعالی کی عبادت کے طور پر فرمائے اور

بعض اپنے بشری اور انسانی تقاضے کی بناء پر اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی عبادت ہی ہے

جیسے سر مبارک میں تیل، کنگھی اور کھانے کے بعد مسواک، سوتے وقت مسواک کھانے سے قبل ہاتھ دھونا میٹھے کا استعمال جوتے کا استعمال وغیرہ یہ وہ اعمال ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عادت اور ضرورت کے استعمال فرمایا ہے مگر وضوء کے وقت مسواک کا استعمال نماز کے لیے وضوء غسل جنابت و دیگر سارے اعمال شریعت نماز روزہ حج وغیرہ ان اعمال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے طور پر فرمایا ہے۔

اس حدیث میں سنت سے مراد وہ سنت ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے طور پر فرمایا ہے اگر چہ ہمارے لیے وہ سنتیں بھی قابل اتباع ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عادت کے طور پر فرمایا ہے اور وہ بھی اجر وثواب سے خالی نہیں ہیں آپ اس کو مزید وضاحت کے لیے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سنت کی دو قسمیں ہیں سنت طبعیہ اور سنت شرعیہ اور واجب الاتباع سنت شرعیہ ہے نہ کہ سنت طبعیہ۔

جواب: (۲)

سنت سے مراد حکم شرعی کو زندہ کرنا ہے جیسا کہ دوسری روایت کے الفاظ ہیں " من احیی سنتی" یا حکم شرعی کو مضبوطی سے تھامے رکھنا جیسا کہ اسی روایت کے الفاظ ہیں اور احکامات شرعیہ میں سے جس قدر ظلم حکم شرعی جہاد فی سبیل اللہ پر ہوا ہے کسی اور پر نہیں ہوا۔ غیروں نے تو کمی نہیں کی مگر اپنوں نے بھی ہاتھ صاف کئے ہیں۔

غیروں کی عداوت تو سمجھ میں آتی ہے مگر اپنوں کی منطق سمجھ سے بالاتر ہے اور جہاد ایک ایسا شرعی حکم ہے جسکا زندہ ہونا پورے دین کا زندہ ہونا ہے اور اس کا ختم ہونا پورے دین کا ختم ہونا ہے۔ اسی بناء پر جس قدر اس حکم پر زور دیا گیا ہے شاید شریعت نے کسی اور پر اتنا زور نہیں دیا اور یہ چونکہ پورے دین کی بنیاد ہے غالبا اسی لیے حدیث مبارک میں اسکو پورا

دین قرار دیا ہے جیسا کہ حدیث شریف ہے۔

” اذا تبایعتم بالعینة و اخذتم باذناب البقر ورضیتم بالزرع وترکتم الجهاد سلط الله علیکم ذلا لا ینزعه حتی ترجعوا الی دینکم “

ترجمہ:

جب تم دنیاوی مال ودولت کے پیچھے پڑ جاوگے اور تم بیلوں کی دم پکڑلوگے اور کھیتی باڑی کے پیچھے پڑ کر جہاد کو چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ پاک تم پر ایسی ذلت مسلط فرمادیں گے جو دین کی طرف واپس آئے بغیر تم سے نہیں ہٹے گی۔

اس حدیث شریف میں دین سے مراد جہاد ہے۔

لہٰذا جہاد کرنا اس حدیث کا اعلی وارفع اور سب سے بڑا مصداق ہے۔ (بذل المجہود شرح ابی داؤد)

جواب:(۳)

جس طرح اس حدیث شریف میں احیاء سنت کی فضیلت ارشاد فرمائی ہے کہ اس سے سو شہید کا اجر ملتا ہے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ میدان جنگ میں جا کر لڑتے ہوئے شہید ہونے کی ضرورت نہیں (العیاذ باللہ) تو پھر ان احادیث کا جن میں قرآن کریم کی بعض سورتوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے مثلاً سورۃ فاتحہ ثواب میں دوتہائی قرآن کے برابر ہے اور سورۃ یٰسین قرآن پاک کا دل ہے جو شخص سورۃ یٰسین پڑھتا ہے، حق تعالی شانہ اس کے لیے دس قرآنوں کا ثواب لکھ دیتے ہیں اور چار مرتبہ سورۃ الکافرون اور ایک روایت میں تین مرتبہ سورۃ اخلاص کے پڑھنے پر پورے قرآن پاک کے ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ مدارس عربیہ جن میں حفظ قرآن کی تعلیم ہوتی ہے ان کو بند کر دیا جائے اور کیا ضرورت ہے پورے قرآن کو پڑھنے کی تو کیا کوئی کم عقل شخص بھی ایسی حماقت کر سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں تو پھر جہاد ہی کے ساتھ یہ عداوت اور بغض کیوں ہے؟

جواب:(۴)

آیئے آخر میں اس حدیث شریف کا صحیح مطلب دیکھیں؟ حدیث شریف میں ایک سنت کو فساد کے دور میں مضبوطی سے تھامنے یا زندہ کرنے پر (دونوں کا مطلب ایک ہی ہے) ۱۰۰ شہیدوں کے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔اس لیے یہاں یہ بات بھی خوب سمجھ لیں کہ ایک ہوتا ہے اجر یعنی مزدوری اور ایک ہوتا ہے مقام اور مرتبہ۔اجر اجرت اور مزدوری الگ چیز ہے مگر مرتبہ بالکل الگ چیز ہے ۱۰۰ شہیدوں کا اجر مل جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک شہید کا مرتبہ اور مقام بھی مل جائے۔اس لیے میدان جنگ میں جام شہادت نوش کرنے والے مجاہد کے لیے اللہ تعالی نے جس مقام اور مرتبہ کا وعدہ فرمایا ہے اسکے ساتھ سو شہید تو کجا لاکھوں شہداء کا اجر بھی مقابلہ نہیں کرسکتا۔

ہے بے شک سو شہیدوں کا ثواب احیائے سنت پر

مگر اس کو نہیں فوقیت حاصل شہادت پر

یہ شہید کا مرتبہ اور مقام ہی ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ روز قیامت جب شہید آئے گا تو اگر اسکے راستے میں ابراھیم خلیل اللہ جیسا نبی اور رسول بھی ہوگا تو اسکو بھی حکم ہوگا کہ راستہ صاف کردو شہید آرہا ہے۔یعنی شہید کے استقبال اور پروٹوکول کے طور پر اس کے راستے سے تمام لوگوں کو ایک طرف ہٹا کر راستہ خالی کردیا جائے گا۔

یہ شہید کا مرتبہ اور مقام ہی ہے کہ ایک شہید قیامت کے دن خاندان کے ستر جہنمیوں کی سفارش کرے گا اور سفارش قبول بھی ہوگی۔یہ شہید کا مرتبہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس دس مرتبہ اللہ کے راستہ میں قتل ہونے کی تمنا کی یعنی نبوت کے باوجود شہادت کے مرتبہ کی تمنا فرمائی جو کہ اللہ تعالی نے پوری فرمائی۔کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی زہر کے اثر سے ہی فوت ہوئے جو آپ کو غزوہ خیبر میں ایک یہودی عورت نے دیا تھا اور زہر سے موت شہادت کی موت ہوتی ہے۔

مگر حاشا وکلا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شہادت العیاذ باللہ نبوت سے اعلی مرتبہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود بھی

شہادت کی کئی کئی مرتبہ تمنا فرمائی ہے۔

شہید کے مرتبہ اوراجر کوایک اور مثال سے سمجھیں:

پاکستان کے صدر مملکت کا ایک مرتبہ اور مقام ہے جسے آپ پوٹوکول کہہ لیں اور ایک اسکی تنخواہ ہے جسے آپ اجراجرت اور مزدری سے تعبیر کرلیں اب صدر پاکستان کی اجرت تو اتنی ہے کہ شاید کسی فیکٹری کے جنرل مینیجر اور کسی بینک کے اعلی افسر کی تنخواہ اس سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے مگر صدر کے مقام اور مرتبہ کو پورے ملک کے انجنیئر زیادہ بڑی بڑی فرموں کے جی ایم وغیرہ مل کر بھی نہیں پہنچ سکتے۔بس یہ ہی شہید کے اجر و مرتبہ کے درمیان فرق ذہن میں ملحوظ رکھیں گے۔تو کوئی اشکال پیدا نہ ہوگا۔

اس لیے میرے دوستو اور بزرگو! دین کی محنت بھی فرمائیں اور دین کی سمجھ بھی حاصل کریں اور یوں کافروں کی ان دیکھی چالوں کا شکار ہوکر اسلام اور دین کا حلیہ نہ بگاڑیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی فہم عطاء فرمائے آمین یارب العالمین۔

اعتراض

بعض دینی حلقوں میں اس بات کو بڑی شدومد کے ساتھ چلایا جارہا ہے کہ کوئی شخص اللہ کے راستے میں نکل کر ایک روپیہ اپنی جان پر خرچ کرتا ہے اسکو ایک روپے کے بدلہ میں ساتھ لاکھ کا اجر ملتا ہے اور ایک نماز پر انچاس کروڑ نمازوں کا اجر وثواب ملتا ہے اور ہم چونکہ دین کی دعوت وتبلیغ میں لگے ہوئے ہیں اور دعوت وتبلیغ کا کام سب سے بڑا کام ہے باقی سب تو دین کی شاخیں ہیں مگر دین کی دعوت والا عمل ہی اصل اور مکمل دین ہے لہذا یہ اجر و ثواب بھی تبلیغ ودعوت کا کام کرنے والوں کے لیے مخصوص ہے کیونکہ اصل تو اللہ کا راستہ یہی ہے اس سے پورا دین زندہ ہوتا ہے۔

جواب:(۱)

سب سے پہلے تو وہ حدیث دیکھیں جس سے ایک روپیہ پر سات لاکھ کا اجر وثواب اور ایک نماز

پرانچاس کروڑنمازوں کا ثواب ملتاہے پھر دیکھیں کہ ان احادیث کی حیثیت کیاہے اورتیسرے نمبر پر دیکھیں کہ اس اجروثواب کے اولین مستحق کون ہیں؟اب ہم نمبروارتینوں باتوں کو بیان کرتے ہیں۔

نمبر(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوالدرداءرضی اللہ عنہ حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمرورضی اللہ عنہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا۔

”من ارسل نفقة فی سبیل الله واقام فی بیته فله بکل درهم سبع مئة درهم ومن غزا بنفسه فی سبیل الله وانفق فی وجهه ذلک فله بکل درهم سبع مئة الف درهم ثم تلا هذه الایة والله یضاعف لمن یشاء“

جس شخص نے اللہ تعالی کے راستے میں کچھ خرچہ بھیجامگر خود گھر پرہی رہاتواسکوایک درہم کے بدلہ سات سوکااجرملتاہےاورجس شخص نے اللہ تعالی کے راستے میں غزوہ کیایعنی جنگ کی اوراللہ تعالی کی رضا کے لیےخرچ کیاتواسکوایک درہم کے بدلہ سات لاکھ درہم کااجر ملے گا۔ پھراس کے بعدحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی کہ اوراللہ تعالی جس کے لیے چاہتے ہیں کئی گنابڑھادیتے ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”ان الصلاوة والصیام والزکاة یضاعف علی النفقة فی سبیل الله عز وجل بسبع مئة ضعف (بذل المجهود ج۴ الترغیب)

کہ اللہ تعالی کی راہ میں نکل کرنماز روزہ ذکر کا ثواب اللہ تعالی کی راہ میں روپیہ خرچ کرنے سےسات سوگنابڑھ کرملتاہے۔

حاصل

یہ ہے کہ ایک روپیہ پر چونکہ سات لاکھ ملتاہےتو سات لاکھ کوسات سو سے ضرب دینے

سے انچاس کروڑ بن گیا اس حساب سے اللہ تعالی کے راستہ میں نماز روزہ ذکر کا ثواب انچاس کروڑ بن جاتا ہے۔

نمبر(۲)

حدیث کی حیثیت

یہ دونوں حدیثیں اپنی سند کے اعتبار سے حد درجہ ضعیف ہیں اس لیے ان کے ضعف کو بیان کئے بغیر ان احادیث کی تشریح جائز نہیں ہے۔ (تبلیغی جماعت اور انچاس کروڑ کا ثواب از فقیہ العصر مفتی رشید احمد لدھیانوی دامت برکاتھم)

نمبر(۳)

حدیث کا مصداق

اگر غور کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اس حدیث کے اولین اور سب سے بہترین مصداق حضرات مجاہدین کرام ہیں کیونکہ نماز روزہ اور ذکر پر انچاس کروڑ کا ثواب تو تب ہے جب اسکو اللہ تعالی کے راستے میں خرچ ہونے والے نفقات کے ثواب سے ضرب دیں اور ''النفقة فی سبیل اللّٰه'' (یعنی اللہ تعالی کے راستہ میں خرچ) میں تو اس بات کی تصریح ہے کہ یہ ثواب اس وقت ہے جب ایک قید پائی جائے اور وہ ہے ''غزا بنفسہٖ'' یعنی اللہ تعالی کے راستے میں غزوہ کرنا اور لڑنا تو یہ غزوہ اور لڑنے والا کام سوائے مجاہدین کے اور کون کرتا ہے اور ویسے بھی فقہاء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ جب مطلقا بغیر کسی تخصیص کے فی سبیل اللہ بولا جائے تو اس سے مراد بھی جہاد فی سبیل اللہ ہی ہوتا ہے۔

اس لیے یہ کہنا بالکل درست اور بجا ہوگا کہ اس حدیث کا اولین اور بہترین مصداق تو مجاہدین ہیں اگر چہ بالتبع اور ضمنا دوسرے وہ تمام حضرات بھی شامل کئے جاسکتے ہیں جو دین کے کسی بھی شعبے میں کام کر رہے ہیں۔

رحمت ذخار سے کچھ بھی نہیں اس کی بعید
بخش سکتا ہے مرا مولی کروڑوں کا ثواب
ہاں مگر اس کے لیے لازم ہے جاں پر کھیلنا
ورنہ یہ انعام اور آسودہ حالی میں جناب

اللہ تعالی ہم سب کو یہ انعامات بلکہ اس سے بڑھ کر عطا فرمائے آمین۔اس لیے میرے دوستو بزرگو! میری گزارش ہے کہ احادیث کی تشریح کرتے وقت اللہ تعالی کے خوف کو مدنظر رکھا جائے ورنہ دنیا وآخرت میں ناکام ہو جائیں گے۔دین کی یہ کونسی خدمت ہے کہ انسان دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے اور روایت کی تشریح اور مفہوم میں اپنی مرضی سے ردوبدل شروع کردیا جائے۔

ملحوظہ :باقی موجودہ دور میں دعوت وتبلیغ کے کام کو کل دین اور اصل کہنا اور باقی تمام شعبوں کو دعوت وتبلیغ کا جزء اور فروع کہنا انتہائی نادانی کی بات ہے۔

اللہ تعالی ہم کو دین میں تحریف سے محفوظ رکھے۔آمین یا رب العالمین.

ایک اہم ترین سوال

احقر اُن تمام لوگوں سے جو جہاد کے معنی میں اس قدر وسعت پیدا کرنا چاہتے ہیں ایک سوال کا جواب تا قیامت طلب کرنا چاہتا ہے کہ یہ بتایا جائے ہم سے پہلے پوری اُمت کے اسلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے جب جہاد کا لفظ آتا تھا اور ”حی علی الجہاد“ کی صدا بلند ہوتی تھی تو اُس وقت میں ان لوگوں کا طرزِ عمل کیا ہوتا تھا؟

کیا یہ اعتکاف کی طرف دوڑتے تھے؟

کیا نماز کی طرف چلتے تھے؟

کیا تلاوت کی طرف بڑھتے تھے؟

کیا دوسرے ذکر وفکر اور علم کے حلقوں کی طرف تشریف لے جاتے تھے؟

یا محض عاجزانہ طور پر التماس و درخواست کی شکل میں اپنے مسلمان بھائیوں کو دین و ایمان اور نماز روزہ وغیرہ کی دعوت پیش کرنے کے لیے آگے بڑھتے تھے؟

یا اُن کے زمانے کے اعتبار سے تبلیغی مراکز اور خانقاہوں کی طرف رُخ کرتے تھے؟

کیا ایسا تھا یا اُن کی صورتحال اس سے کچھ الگ تھی؟

اور کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جہاد کے اعلان کے وقت یہ حضرات ہتھیاروں کی طرف رُخ فرماتے تھے؟

جنگی سازوسامان کی طرف چل پڑتے تھے؟

آپ خود فیصلہ کریں کہ جب بدر واحد اور تبوک وخندق کے جہاد کا اعلان ہوا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اس سے کیا سمجھا تھا اور پھر کس طرح عمل کیا تھا؟

خدارا! جو نقشہ اسلام نے پیش کیا ہے کم از کم اس کو برقرار رہنے دیجیے۔

یہ سامنے روضہ اقدس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، آپ کے مبارک فرامین اور اعلانات کو کتابوں میں پڑھیے۔ یہ عظیم رسول جب اپنے ساتھیوں کے سامنے جہاد کا اعلان فرماتے تھے تو پھر ان سے کیا توقع رکھتے تھے، آیا یہ ارادہ ہوتا تھا کہ روزہ، نماز، ذکر وفکر، تعلیم وتعلّم اور چلّہ کی طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متوجہ ہوجائیں یا یہ ارادہ ہوتا تھا کہ اسلحہ زیب تن کر کے سواری کا انتظام کریں اور فوراً دُشمن کے مقابلے کے لیے میدان میں نکل جائیں؟

اگر یہ ارادہ نہ ہوتا تو پھر اعلان جہاد کے بعد کفار کے مقابلے کے لیے نہ نکلنے والوں کی سرزنش کیوں ہوئی، ان سے باز پرس کیوں ہوئی؟

اور بعض دفعہ ان سے مکمل بائیکاٹ کیوں کیا گیا؟

خلاصہ یہ کہ یہ لفظ ''جہاد فی سبیل اللہ'' سے ہمیں وہی مفہوم لینا چاہیے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیا اور جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہائے اسلام

اور علمائے دین نے سمجھا ہے اور پھر اُمت کو سمجھایا ہے۔

مگر افسوس صد افسوس ہے کہ آج ہم نے اس لفظ کو جتنا ہلکا کر دیا ہے اتنا ہی ہم کفار کی نظروں میں ہلکے ہو گئے۔ ہم نے کہا: ''مچھر کے خلاف جہاد، مکھیوں کے خلاف جہاد، ملیریا کے خلاف جہاد، ناخواندگی اور مہنگائی کے خلاف جہاد وغیرہ وغیرہ یہاں تک کہ بعض مصنفین اور مقررین اور واعظین حضرات کے نظریہ اور خیال کے مطابق تو جہاد کا لفظ اتنا ہلکا ہے اور اس کی بس اتنی حقیقت ہے کہ دین کے نام پر کوئی بھی کام کیا جائے اور اُس کے لیے مشقت و تکلیف اُٹھائی جائے تو وہ سب جہاد ہے۔

ایک لمحہ فکریہ: دعوت فکر ونظر از احقر

اور میں تھوڑی دیر کے لیے اُن حضرات کی قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کے اُن تمام دلائل کو سر آنکھوں پر رکھ کر تسلیم کرتا ہوں اور یہ مانتا ہوں کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ بالکل درست اور صحیح ہے۔ نہ اُس کا اُن کے سمجھنے کے علاوہ کوئی اور مطلب ہے اور نہ کوئی دوسری توجیہ ہے بلکہ لفظ ''جہاد'' کی جس عمومیت کو وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں میں اُس کو سو فیصد تسلیم کرتے ہوئے اُن حضرات سے مختصر طور پر مندرجہ ذیل سوالات کا جواب چاہتا ہوں کہ کیا یہ نیچے لکھے جانے والے تمام اعمال اُن کی دلائل کی روشنی میں جہاد کہلاتے ہیں؟

اور ان کے کرنے والوں کو مجاہدین کہا جاتا ہے؟

یا اہلِ اسلام اور مسلمانوں کے درمیان ان کاموں کے کرنے والوں کے متعلق ماضی میں کسی بھی مصنف یا مؤلف نے اُن کو مجاہدین لکھ کر شریعت میں ذکر کردہ جہاد کے احکام کا اُن کو مصداق قرار دیا ہے؟

یہ دینی چالیس اعمال کیا جہاد اور ان کے کرنے والے مجاہدین ہیں؟

اگر اس کا جواب ہاں میں ہے تو پھر اس نظریہ کو سامنے رکھ کر کیا یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ

۱- صبح اُٹھ کر شریعت کے مطابق استنجا کرنا جہاد ہے؟

۲- اور پھر وضو کر کے مسجد کی طرف جانا یہ بھی جہاد ہے؟

۳- اور پھر مسجد میں نماز کے انتظار کے لیے بیٹھنا یہ بھی جہاد ہے؟

۴- اور پھر نماز سے فارغ ہو کر کچھ دیر اپنے کو ذکر و اذکار کا پابند کر کے رکھنا اور مسجد میں بیٹھنا یہ بھی جہاد ہے؟

۵- اور پھر شریعت و سنت کے مطابق دکان پر جا کر بیٹھنا اور کاروبار و بزنس کرنا یہ بھی جہاد ہے؟

۶- نیز اسی طرح پڑوسیوں سے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق احسان و حسن سلوک یہ بھی جہاد ہے؟

۷۔ والدین اور بیوی بچوں کی خدمت اور اُن کے حقوق کی ادائیگی یہ بھی جہاد ہے؟

۸- اپنی بیوی کو اپنے پاس کُرسی پر بٹھا کر اپنے ہاتھ سے اُس کو آئسکریم (Icecream) کھلانا یہ بھی جہاد ہے؟

۹- صبح کو بچوں کو مدرسہ پڑھنے کے لیے لے کر جانا اور اُس کا انتظام کرنا یہ بھی جہاد ہے؟

۱۰- سود اور رشوت سے بچتے ہوئے حلال کمائی کا بندوبست کرنا یہ بھی جہاد ہے؟

۱۱- حج و عمرہ پر جانا اور اُس کے لیے مشقت اُٹھانا، روپیہ پیسہ خرچ کرنا یہ بھی جہاد ہے؟

۱۲- کسی مسلمان بھائی کی اللہ کے لیے زیارت کرنا یہ بھی جہاد ہے؟

۱۳- کوئی بیمار یا پریشان حال ہو تو اُس کی مزاج پُرسی کرنا یہ بھی جہاد ہے؟

۱۴- اس طرح اگر کوئی شخص شریعت کے مطابق پابندی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور جملہ حقوقِ واجبہ میں اپنا مال صرف کرتا ہو وہ بھی مجاہد کہلانا چاہیے۔

۱۵- اور جو شخص دین کا علم سیکھنے کے لیے اپنے گھر کو چھوڑ کر نکلا ہے جس کا اللہ کے

راستے میں ہونا تو اتفاقی مسئلہ ہے لیکن مذکورہ نظریہ کے اعتبار سے اس کو بھی مجاہد کہنا چاہیے۔

۱۶- اسی طرح جو لوگ دوسروں کو دین کا علم سکھاتے ہیں اور قرآن وسنت کی تعلیم دیتے ہیں وہ بھی گویا کہ جہاد میں مصروف ہیں۔

۱۷- اور جو لوگ دین میں غلو کرنے والوں کے غلو اور حد سے تجاوز کا پردہ چاک کرنے اور اہلِ باطل حضرات کی تردید کرنے کے لیے کتابیں لکھتے ہیں اور اُن سے مناظرے کرتے ہیں وہ بھی گویا مجاہدین ہیں۔

۱۸- اور نظریں بچا کر بازاروں میں چلنے پھرنے والے بے حیائی کے ماحول میں عفت و پاکدامنی کے ساتھ زندگی گزارنے والے بھی مجاہد بن جاتے ہیں۔

۱۹- اسی طرح گانا بجانے کے بجائے ذکر و اذکار کی مجالس میں مشغول رہنے والے لوگ بھی مجاہدین کہلانے چاہئیں۔

۲۰- اور انگریزی تہذیب و تمدن کو چھوڑ کر رہن سہن، کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے میں اسلامی طور طریقے اختیار کرنے والے مسلمان حضرات بھی مجاہدین قرار پائیں گے۔

۲۱- اور جو لوگ دین کے حکموں کا خیال رکھتے ہوئے بدنی ورزش اور یا کھیل کود اور سیر وتفریح کرتے ہیں اور اُن کے دل میں اپنے بدن اور صحت کو مضبوط کرنا اور طبیعت میں نشاط پیدا کرنا ہے وہ بھی مجاہد کہلانے چاہئیں۔

۲۲- اسی طرح زنا سے بچنے کے لیے نکاح کرنے والے نوجوان اور پاکدامنی کے طالب مسلمان بھی مجاہدین کی فہرست میں شامل ہو جائیں گے۔

۲۳- کسی بزرگ کی خدمت کرنے والے اور اُس سے محبت کرنے والے حضرات بھی مجاہد کہلانے چاہئیں۔

۲۴- کسی کی طرف سے بُرا سلوک کیے جانے پر اپنے غصے کو پی جانے والا اور سامنے والے کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا شخص بھی مجاہد کہلائے گا۔

۲۵-کسی کی غیبت ہوتی دیکھ کر اُس کی طرف سے دفاع کرنے والا اور اپنے کو ایسے حرام کاموں کی مجالس سے محفوظ رکھنے والا شخص بھی مجاہد ہونا چاہیے۔

۲۶-اپنی مردانہ خواہش کو حرام مقام پر پورا کرنے کے بجائے حلال مقام یعنی اپنی بیوی اور باندی سے پورا کرنے والا بھی اس اصول پر مجاہد ٹھہرے گا۔

۲۷-نکاح کے موقع پر رمضان المبارک کی ستائیسویں رات (شب قدر) اپنی بیوی سے پوری رات شب زفاف منانے والا بھی اس نظریے کے مطابق عبادت گزار اور مجاہد کہلائے گا تو اُس کا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ میں نے رمضان المبارک کی یہ رات بہت بڑی عبادت یعنی جہاد میں گزاری۔

۲۸-پانچوں وقت کی اذان دینے والا بھی مجاہد ہوگا۔

۲۹-وہ شخص جو کسی مسجد میں شریعت وسنت کی پابندی کر کے امامت کرا رہا ہو اور لوگ اُس سے راضی اور خوش ہوں تو آخر وہ کیوں مجاہد نہ ہوگا؟

۳۰-وہ تمام علماء جو تصنیف و تالیف اور درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کے کاموں میں مشغول ہیں، وہ سب کے سب مجاہدین قرار پائیں گے۔

۳۱-وہ قاضی حضرات اور اس اسلامی حکومت کے امراء و حکام جو شرعی طریقے پر امورِ مملکت اور قضاۃ کو انجام دیتے ہوں آخر اُن کو کیوں مجاہد نہ کہا جائے گا؟

۳۲-وہ شخص جو عوام الناس کے نفع کے لیے راستوں سے تکلیف دینے والی چیزوں کو ہٹا دیتا ہو اور اُن کی خیر خواہی اور فلاح و بہبود کے کاموں میں اپنے کو لگائے ہوئے ہو وہ بھی مجاہد ہونا چاہیے۔

۳۳-جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے موفق ہے کہ وہ یتیموں اور مسکینوں، بے بسوں اور بے سہارا لوگوں کی مختلف انداز سے کفالت کرتا ہے اور اُن کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے تو یہ بھی مجاہد ہے۔

۳۴- وہ شخص جو ہر طرف پھیلے ہوئے فتنوں سے اپنا ایمان بچا کر کسی پہاڑ کے دامن میں یا کسی جنگل و بیاباں میں کوئی جھونپڑی یا مکان بنا کر رہنے لگا ہو اور وہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو اور اپنے ضروری حقوق ادا کرتا ہو یہ بھی مجاہد ہے۔

۳۵- اسی طرح جو شخص عمومی خیر خیرات اور نیکیوں کے کاموں میں آگے آگے رہتا ہو جیسے مثلاً کسی جگہ پر پانی کا کنواں بنا دیا، کسی کے لیے مکان کا انتظام کر دیا، یا کسی غریب فقیر کی بچی کے لیے نکاح اور شادی کا انتظام کر دیا، یہ سارے جہاد ہی ہونے چاہییں۔

۳۶- اور جو شخص دنیا کے ماحول میں رہتے ہوئے خود بھی دین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہو اور دوسروں کے لیے دین پر چلنے کا ذریعہ بن رہا ہو وہ بھی مجاہد ہے اور اُس پر بھی جہاد کے اَحکام جاری ہونے چاہئیں۔

۳۷- خاص طور پر وہ لوگ جو بچپن سے قرآن کریم کے حفظ میں لگے پھر علمِ دین سیکھنے میں مشغول ہو گئے اور پھر اُس کے پھیلانے میں لگ گئے تو ان سب کو مجاہدین کہا جانا چاہیے اور اُن پر جہاد کے احکام جاری ہونے چاہئیں۔

۳۸- دنیا کی محبت کو چھوڑ کر آخرت کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دینا اور صبح و شام عبادت میں لگا رہنا اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے زاہد بن جانا، یہ بھی گویا کہ جہاد ہی ہے۔

۳۹- کوئی مسافر اجنبی پردیسی آپ کے علاقے میں آ جائے اور آپ اُس کو مہمان بنا لیں اور اپنے گھر پر ٹھہرا کر اُس کی دیکھ بھال کریں تو یہ بھی مجاہدوں کا کام ہے۔

۴۰- لوگوں کے درمیان خاندانوں میں جھگڑے اور اختلاف ہوں، شوہر بیوی میں طلاق کی نوبت آ رہی ہو اور آپ اُن کے درمیان جا کر صلح و مصالحت کا معاملہ کر دیں تو چونکہ یہ بھی ایک دین کا بڑا کام ہے اور دین کا ہر کام جہاد ہے لہٰذا یہ بھی جہاد ہوگا۔

الغرض قصہ مختصر یہ کہ اے جہاد کے لفظ کو اتنا ہلکا پھلکا کرنے والو! پوری تاریخ میں اس

کی نظیر نہیں ملتی کہ ان مذکورہ دینی اعمال کو اور انہی کی طرح اور دوسرے سینکڑوں اور ہزاروں دین کے کاموں کو علمائے کرام نے اور اسلاف عظام نے جہاد کا نام دیا ہو

یا ان کے کرنے والوں کو مجاہدین کہا ہو

یا اُس پر کتاب الجہاد کے اندر کسی طرح کا کچھ تحریر کیا ہو۔

جو کچھ آج تک اسلاف نے الجہاد یا مجاہدین کے نام سے لکھا اور تحریر کیا ہے اُن سب کے اندر بس کفار سے لڑنے اور خود مرنے اور اُن کو مارنے، زخم کھانے اور زخمی کرنے اور آلاتِ حرب تیر و تلوار وغیرہ کے تذکرے ملتے ہیں، باقی جو جتنے دینی کام ہیں اُن پر عند اللہ اَجر ضرور ملے گا اور اُن میں سے بہت سے اعمال پر اس قدر اَجر و ثواب ہے کہ وہ ثواب کے اعتبار سے جہاد کے برابر ہو گئے۔ لیکن ایک بالکل بدیہی اور ظاہری بات ہے کہ اَجر و ثواب کے اعتبار سے ایک ہونا اور حکماً جہاد کا بولا جانا الگ چیز ہے اور کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت یہ الگ چیز ہے۔

ایک دن میں کئی حج کیجئے اور پورا قرآن حفظ کیجئے

مثلاً ایک اور انداز سے احقر اس مضمون کو عرض کرتا ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص صبح کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھا رہا اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہا یہاں تک کہ سورج نکلنے کے بعد اپنے وقت پر دو رکعت نماز اشراق پڑھ کر مسجد سے آیا تو اُسے ایک مکمل حج و عمرے کا ثواب ملتا ہے۔

اسی طرح والدین کی طرف محبت و عظمت کی نگاہ سے از روئے حدیث شریف مقبول حج کا ثواب ہے۔

اور اسی طرح تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پورا قرآن کریم پڑھنے کے برابر میں شمار ہوتا ہے۔ یعنی جو شخص تین بار سورۂ اخلاص پڑھے تو اللہ تعالیٰ اتنے

رحیم اور رحمٰن اور ارحم الراحمین ہیں کہ اُس کو پورے قرآن کا ثواب دیتے ہیں۔

لیکن احقر بہت درد اور دُکھ کے ساتھ کہتا ہے کہ کیا کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں ابھی فجر کی نماز کے بعد ایک عمرہ اور حج کر کے آیا ہوں، یا محلے کے لوگ اُس کو حاجی صاحب کہنے لگیں اور وہ خود اپنے بارے میں یہ تصور کرے کہ لوگ تو سال بھر میں ایک حج کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ ایک دو مرتبہ عمرہ کرتے ہیں پھر پتہ نہیں مقبول بھی ہوتا ہے یا نہیں ہوتا، اور میں تو روزانہ مقبول حج وعمرہ کرتا ہوں۔

اور اگر اُس کو کوئی توجہ دلائے کہ بھائی! تیرے اوپر حج فرض ہو چکا ہے، تجھے اس سال حج کرنا چاہیے تو وہ یہ کہتا ہے کہ میں تو بہت حج کر چکا ہوں، مجھے اب الگ سے حج کرنے کی ضرورت نہیں۔

ٹھیک اسی طرح پورے قرآن کریم کا پڑھنا اور اُس کا حفظ کرنا یہ الگ شے ہے۔ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھنا یہ بالکل جدا اور الگ ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے تو پانچ منٹ کے اندر پورا قرآن کریم ختم کر لیا اور اگر اُس سے کوئی سوال کرے کہ تم قرآن کے حافظ ہو تو وہ جواب میں یوں کہے کہ جی ہاں! بالکل میں پورے قرآن کریم کا حافظ ہوں۔ اگر اُس سے معلوم کیا جائے کہ تو نے کتنے دن میں قرآن حفظ کیا تو وہ جواب میں کہنے لگے کہ میں نے ایک دن میں قرآن حفظ کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی واضح بات ہے کہ جس کو ادنیٰ علم رکھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ شریعت میں بہت سی مرتبہ بعض عبادات پر اللہ تعالیٰ کے ہاں اَجر وثواب عظیم ہوتا ہے، یہ اُس کی شانِ کریمی اور رحیمی ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ تھوڑا ہی ہے کہ اُس کو آپ اُس عمل کی حقیقت قرار دینے لگیں۔ اور جب عرف میں بولیں تو اُس سے وہی مراد لینے لگیں اور اگر کوئی دلیل طلب کرے تو آپ وہی اِشراق والی نماز کی فضیلت یا تین بار سورۂ اخلاص اور والدین کی طرف نظرِ محبت کی فضیلت سنا کر کہنے لگیں کہ میں حدیث شریف سے دلیل دے

رہا ہوں مگر یہ بات بالکل بدیہی طور پر باطل اور غلط ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ شریعت نے جس چیز کا جو درجہ اور مقام رکھا ہے اُس کو اسی درجے میں اور اسی مقام پر رکھنا چاہیے۔ جب اُس کو حد سے بڑھایا جاتا ہے تو پھر وہ دین دین نہیں رہتا اور اُس کا نقصان خواص کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں کو بہت زیادہ پہنچتا ہے۔

یہ احقر نے ایک دو مثالیں دی ہیں مگر ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں کہ جن میں بعض اعمال پر عبادت کا یا جہاد کا یا اور کسی عظیم فضیلت کا اطلاق روایات میں وارد ہو گیا۔ کہیں یوں آیا کہ والدین کی خدمت جہاد ہے۔ کہیں حج کرنے کو عورتوں کا جہاد کہہ دیا گیا۔ کہیں کسی اور عمل کو بمنزلة المجاہد کہہ دیا گیا یا اُس پر فی سبیل اللہ کا اطلاق آ گیا۔ لیکن اس سے یہ سمجھنا کیسے درست ہو گا کہ وہ عمل اُس دوسرے عمل کی حقیقت میں تبدیل ہو گیا۔

اگر جہاد کا اطلاق عمومی ہو تو کیا نقصان ہے؟

درحقیقت یہ تفصیل احقر کو اس لیے لکھنی پڑ رہی ہے کہ کوئی یہ نہ کہہ دے کہ جب اس عمل پر جہاد کا اَجر و ثواب ہے تو پھر آپ کو کیا پریشانی ہے کہ اُس کو جہاد کہہ دیا جائے؟

کیونکہ ہمارا مقصود اَجر و ثواب ہی ہے لہٰذا اُس پر جہاد کا اطلاق کر کے اُمت کو اس کی ترغیب دینے میں کیا نقصان ہے؟

احقر اُسی نقصان کو واضح کر رہا ہے کہ سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ ہر عمل اور عبادت کی شریعت میں اپنی ایک حقیقت ہے اور اُس کے اپنے ایک جداگانہ احکام ہیں، اس طرح کرنے سے تو ساری شریعت کے مختلف احکام ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہو کر رہ جائیں گے اور پورا دین کھلونا بن کر رہ جائے گا۔ کیونکہ پھر تو مطلب یہی ہو گا کہ ہر دیندار شخص مجاہد ہے اور اُس کا عمل جہاد ہے، تمام کتب خانوں میں بھری ہوئی دینی کتابیں اور اُن کتابوں کے تمام ابواب شروع سے اخیر تک سب جہاد ہی کے موضوع پر ہیں۔

اس سے اُمت کو شدید ترین نقصان پہنچے گا اور فی الوقت پہنچ رہا ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ

ان حضرات نے اتنا ہی نہ کیا بلکہ مزید آگے بڑھ کر بعض فاسد اور گندی ذہنیت رکھنے والوں نے حقیقی جہاد میں مشغول لوگوں کو انتہائی بُرے القاب سے ذکر کرنا شروع کر دیا۔ کہیں اُن کو فتنہ پرداز اور کہیں پر دہشت گرد اور کہیں سافک الدماء (خون ریزی کرنے والے) قرار دینے لگے اور کہیں مجاہد کے بجائے قتالی کے نام سے پکارنے لگے۔ چنانچہ احقر نے ایک شخص کی زبانی سنا جو بہت دین کا کام (بزعم خود) کرتے ہیں کہ میں ان کو مجاہد نہیں بلکہ قتالی کہتا ہوں۔

غرض یہ ہے کہ ہم نے اس جملے کو اس کی حقیقت سے ہٹا کر دوسرے بہت سے دینی کاموں پر تو بولا اور اُس کا اطلاق کیا مگر ہم کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ ہم یہ کہہ دیں: امریکا کے خلاف جہاد، برطانیہ اور اسرائیل کے خلاف جہاد، رُوس اور چین کے خلاف جہاد، کفر و زندقہ کے خلاف جہاد، اس طرح پسپائی اور شکست خوردگی کا نظریہ اپنا کر عالَمِ کفر ہم پر شیر ہو گیا اور ان کے دلوں سے ہمارا رعب اُٹھ گیا، جہاد مقدس اور دوسرے نیک اعمال کو چھوڑ کر ہم کفار کے لیے تر لقمہ بن گئے اور وہ جب بھی اور جہاں بھی ہمیں ہڑپ کرنا چاہتا ہے، ہڑپ کر لیتا ہے۔

احقر کے ناقص علم کے مطابق پوری اُمت میں جہاد پر لکھی جانے والی جتنی کتابیں ہیں اُن میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ انہوں نے ان کتابوں کے اندر دوسرے دینی احکام کا ذکر کیا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ ضمناً تذکرہ آ گیا ہو لیکن اصولی طور پر جو اسلامی شرعی جہاد کہلاتا ہے جس سے متعلق احکام شہید ہونا، زخمی ہونا، زخمی کرنا، قید ہونا، قیدی بنانا، قید سے چھڑانا، شہادت وغیرہ کے اَحکام یہی مذکور ہوئے ہیں۔ چند کتابیں جن کے نام احقر کو دستیاب ہوئے اور جو اسی موضوع پر ہے اور اُس میں جہاد کا یہی مفہوم ذکر کر کے تمام اَحکام کو بیان کیا گیا ہے۔ قارئین کے علم کے لیے یہاں لکھی دی جاتی ہیں۔

جہاد کے موضوع پر علماء کی تصنیفات

(۱) الآداب الحقیقۃ فی معتبرات البند وقیہ، شیخ حسین بن محمد رحمہ اللہ

(۲) الاجتہاد فی اقامۃ فرض الجہاد، ابن عساکر رحمہ اللہ

(۳) کتاب الجہاد، عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ

(۴) الاجتہاد فی الجہاد، مؤلف نامعلوم رحمہ اللہ

(۵) الاجتہاد فی طلب الجہاد، حافظ بن کثیر رحمہ اللہ

(۶) الاجہتاد فی فضل الجہاد، محمد بن یوسف رحمہ اللہ

(۷) احکام الجہاد، بہاء الدین بن شداد رحمہ اللہ

(۸) ادب الملوک وکفایۃ المملوک، محمد بن منصور رحمہ اللہ

(۹) ارشاد العباد الی طریق الجہاد، احمد فخر الدین رحمہ اللہ

(۱۰) الاعتماد فی الجہاد، محمد بن سعید اندلسی رحمہ اللہ

(۱۱) الاعتماد فی الجہاد، محمد عارف بن سعید رحمہ اللہ

(۱۲) امضاض السہاد فی افتراض الجہاد، محمد بن یعقوب رحمہ اللہ

(۱۳) الانجاد فی الجہاد، عبدالرحمٰن بن نجم رحمہ اللہ

(۱۴) بغیۃ القاصدین بالعمل فی المیادین، محمد بن امیر رحمہ اللہ

(۱۵) بغیۃ الوقاد فی التعریف بسمۃ الجہاد، قاسم بن محمود رحمہ اللہ

(۱۶) الترغیب فی الجہاد، محمد بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ

(۱۷) تحجنید الاجناد وجہاد الجہاد، محمد بن ابراہیم بن جماعہ رحمہ اللہ

(۱۸) تشویقات الجیاد فی الغزو والجہاد، عبدالرزاق بن عبدالفتاح رحمہ اللہ

(۱۹) توطئۃ الجہاد فی فضل الجہاد، نورالدین علی رحمہ اللہ

(۲۰) الجہاد، علی بن طاہر رحمہ اللہ

(۲۱) الجہاد، ابن اثیر رحمہ اللہ

(۲۲) الجہاد، ابن عساکر رحمہ اللہ

(۲۳) الجہاد، ابن ابی عاصم رحمہ اللہ

(۲۴) الجہاد، محمد بن احمد اسکافی رحمہ اللہ

(۲۵) الجہاد، احمد بن محمد الخطابی رحمہ اللہ

(۲۶) الجہاد، محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ

(۲۷) الجہاد، للصفار محمد بن الحسن رحمہ اللہ

(۲۸) الجہاد، محمد بن مسعود رحمہ اللہ

(۲۹) الجہاد، للقرطبی ثابت بن نذیر مالکی رحمہ اللہ

(۳۰) الجہاد وفضائلہ، محمد بن علاء الدین رحمہ اللہ

(۳۱) الحرب، لابن قتیبہ الدینوری رحمہ اللہ

(۳۲) حروب الاسلام، عبد المالک بن حبیب رحمہ اللہ

(۳۳) الحروب والسیاستہ، محمد بن عبد الکریم

(۳۴) الارشاد فی فضائل الجہاد، محمد شمعی رحمہ اللہ

(۳۵) السعی المحمود فی نظام الجنود، عبد القادر بن احمد رحمہ اللہ

(۳۶) سفرۃ الزاد لسفرۃ الجہاد، محمود الوسی رحمہ اللہ

(۳۷) السیر والجہاد، ابراہیم بن محمد رحمہ اللہ

(۳۸) الشجاعۃ وثمرتھا، محمد بن احمد رحمہ اللہ

(۳۹) صفات الحرب والسلاح، ابو ہلال عسکری رحمہ اللہ

(۴۰) علم الآلات الحربیۃ، بنی موسیٰ رحمہ اللہ

(۴۱) الغزو وفضائل الجہاد، محمد بن عمر رحمہ اللہ

(۴۲) فردوس المجاہدین، جلال الدین رحمہ اللہ

(۴۳) الفروسیۃ، ابن قیم رحمہ اللہ

(۴۴) الفروسیۃ برسم الجہاد، نجم الدین رحمہ اللہ

(۴۵) فضائل الجہاد، ابن شداد رحمہ اللہ

(۴۶) فضائل الجہاد، حسام الدین رحمہ اللہ

(۴۷) فضائل الجہاد، ولی الدین رحمہ اللہ

(۴۸) فضائل الرمی فی سبیل اللہ، ابن قراب

(۴۹) فضل الجہاد، علی ابن ابراہیم رحمہ اللہ

(۵۰) فضل الجہاد، علی محمد ابن احمد رحمہ اللہ

(۵۱) فلک السعادہ فی فضل الجہاد والشہادۃ، عبدالہادی رحمہ اللہ

(۵۲) القسی والنبال والسہام، ابوحاتم رحمہ اللہ

(۵۳) کتاب الجہاد، ابراہیم بن حماد رحمہ اللہ

(۵۴) کتاب الجہاد، داؤد بن علی رحمہ اللہ

(۵۵) مرشد الاجناد فی آلات الجہاد، محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ

(۵۶) مستند الاجناد فی آلات الجہاد، محمد ابن ابراہیم رحمہ اللہ

(۵۷) المشید فی علم الرمی، ابوبکر بن یوسف رحمہ اللہ

(۵۸) معرفۃ الرمی بالسہام، عبدالقادر بن یوسف رحمہ اللہ

(۵۹) مفتاح البلاد فی فضائل الجہاد، محمد بن علان رحمہ اللہ

(۶۰) منیۃ العابدین فی فضل المجاہدین، محمد بن زین العابدین رحمہ اللہ

(۶۱) وسیلۃ العباد فی فضیلۃ الجہاد، قطب الدین رحمہ اللہ

(٦٢) الجہاد، حافظ سعید بن منصور رحمہ اللہ

(٦٣) فضل الجہاد، محمد طیب رحمہ اللہ

(٦٤) فضل الجہاد، حافظ عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ

(٦٥) فضائل الجہاد، طاہر بن نصر اللہ رحمہ اللہ

(٦٦) فضل الجہاد والمجاہدین، شمس الدین رحمہ اللہ

(٦٧) فضائل الجہاد، یوسف بن رافع موصلی رحمہ اللہ

(٦٨) بغیۃ المرتاد فی تعریف الجہاد، ابوالقاسم بن طینسان رحمہ اللہ

(٦٩) احکام الجہاد وفضائلہ، عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ

(٧٠) المغازی، محمد بن عمر و واقدی رحمہ اللہ

(٧١) مشارع الاشواق الی مصارع العشاق، ابن النحاس رحمہ اللہ

(٧٢) تحفۃ الطالبین فی الجہاد والمجاہدین، تقی الدین عبدالغنی رحمہ اللہ

(٧٣) سیر کبیر، امام محمد رحمہ اللہ

(٧٤) سیر صغیر، امام محمد رحمہ اللہ

یہ چند کتابوں کے وہ نام ہیں جو میرے علم میں آئے اور جن کی فہرست بعض کتابوں نے دی ہے، اس کے علاوہ وہ کتابیں جن کے متعلق ہمیں معلوم نہیں ہوسکا بہت زیادہ ہوسکتی ہیں۔ گویا سلف صالحین کا دور اور اس کے بعد آٹھویں صدی ہجری تک کا زمانہ جہاد کے لیے بسط وشرح کا زمانہ تھا۔ حکمرانوں کے ہاں جہاد کے امور سب سے مقدم ہوتے تھے تو عامۃ المسلمین نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا اور اپنے ربّ کو راضی کیا اور اپنے دین اور قانونِ الٰہی کو دنیا کے تمام قوانین پر غالب کر کے رکھا، اس فضا اور اس ماحول میں لکھنے والے اہلِ قلم علماء کے حوصلے بھی بلند تھے کیونکہ وہ اپنے قانون اسلام کے غلبے کی وجہ سے غیر مسلم اقوام کے لیے قابل تقلید اور نمونہ بننے کی پوزیشن میں تھے، اس لیے انہوں نے کھل کر اسلام کے

اس بنیادی حکم جہاد کے متعلق ایسا لکھا جیسا کہ لکھنا چاہیے تھا۔ ایک ولولہ تھا، ایک جوش تھا، ایک جذبہ تھا۔ جہاد کا دور دورہ تھا، مسلمان شان وشوکت کی زندگی گزار رہے تھے اور وہ پوری دنیا کے لیے آقا کی حیثیت رکھتے تھے جو دنیا کی دوسری قوموں کے اُلجھے ہوئے مسائل سلجھایا کرتے تھے، ان کا اسلام اور نظام اسلام بھی کامل اور مکمل طور پر غالب تھا، آزاد تھا جو پوری دنیا کے لیے رہنما کی حیثیت رکھتا تھا اس لیے دین اسلام ایک پُرکشش مذہب تھا اور لوگ امن و انصاف اور خوشی وخوشحالی کی غرض سے اسلام کے سائے تلے آتے تھے اور اسلام عالم میں روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا۔ (دعوتِ جہاد: صفحہ ۳۷-۴۰)

احقر کی نگاہ میں اسلامی تاریخ میں جماعت تبلیغ کی دینی خدمات بے مثال ہیں

آج کل ہماری علمائے دیوبند کی جماعتِ حقہ اہلسنۃ والجماعۃ حضرات ہی کی ایک جماعت پورے عالم میں بحمد للہ تعالیٰ پھیل چکی ہے۔ اور اس کا فیض بھی اس قدر عام ہو رہا ہے کہ اس کا انکار کتنا ہی ہٹ دھرم اور عنادی مزاج رکھنے والے کے لیے بھی ممکن نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ تاریخِ اسلام کی ایسی عظیم الشان جماعت ہے کہ جس کی خدمات کے بارے میں اگر یوں کہہ دیا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اُمت کے تمام اَدوار اور اُن کے اَحوال کو سامنے رکھ کر یہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ جماعت دعوت وتبلیغ کی جماعت کے نام سے مشہور ہے۔

الحمد للہ! احقر راقم السطور کا بھی اس کے ساتھ بچپن ہی سے عملی تعلق رہا اور گو بہت زیادہ نہ صحیح لیکن وقتاً فوقتاً سہ روزہ اور چلّہ لگانے کا موقع ملتا رہا۔ اور اُس میں نکل کر ہر مرتبہ یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ کام انتہائی ضروری اور اہم ہے۔ اور خاص طور پر اہلِ علم حضرات کو صرف مدارس میں پڑھانے پر اِکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ آس پاس کے علاقوں اور شہروں اور گاؤں میں جا کر قرآن وسنت کی وہ باتیں جن کو مدرسوں میں پڑھتے پڑھاتے ہیں عوام میں ضرور پہنچانا چاہیے۔ یہ ایک نہایت آسان اور سہل دین کے پھیلانے اور اُس کے قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔

دعوت وتبلیغ کی طرح نبی ﷺ کے کام کی مختلف شکلیں

البتہ اس مناسبت سے اپنے اکابر کے اقوال کی روشنی میں ایک مختصر سی گزارش کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دعوت اور تبلیغ یہ دونوں عربی زبان کے لفظ ہیں۔ اوّل کے معنی لوگوں کو دین کی طرف بلانا اور دوسرے کے معنی دین کے اَحکام اور قرآن وسنت کو لوگوں تک پہنچانا۔ اب رہی یہ بات کہ دین کی طرف بلانا اور دوسروں تک دین پہنچانا اس کی کیا خاص شکل و صورت ہو اور اُس کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے یہ اس لفظ کے معنی کے اعتبار سے کوئی خاص شکل وصورت اپنے اندر لیے ہوئے نہیں ہے۔

اسی لیے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمہ اللہ وغیرہ دیگر اسلاف واکابر نے تبلیغ ودعوت کی مختلف شکلیں ذکر فرمائی ہیں اور سب کو دعوت الی اللہ کا مصداق قرار دیا ہے، جیسا کہ مقررین اپنی تقریروں سے، واعظین اپنے وعظوں سے اور مجاہدین اپنی تلواروں سے اور مشائخ عظام تزکیۂ نفس کے ذریعے سب دین کی طرف بلاتے ہیں۔ اور یہ سب شکلیں دعوت الیٰ اللہ کی ہیں اور دین پہنچانے کی صورتیں ہیں۔ اسی طرح جلالین کے حاشیہ میں اس آیت کے تحت دعوت الیٰ اللہ کی ان مختلف شکلوں کو یوں ذکر کیا ہے:

قوله ومن احسن قولا قيل نزلت هذه الآية فى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لانه هو الذى جمع تلك الاوصاف لان الداعين الى اللّٰه تعالٰى اقسام:

فمنهم الداعون الى اللّٰه بالتوحيد قولا كالا شعرى والماتريدى ومن تبعهما الى يوم القيامة وفعلا كالمجاهدين

ومنهم الداعون الى اللّٰه تعالٰى بالاحكام الشرعية كالائمة الاربعة ومن

على قدمهم

ومنهم الداعون الى اللّٰه تعالىٰ بزوال الحجب كائنة على القلوب لمشاهدة علام الغيوب بحيث يكون دائما فى حضرة اللّٰه ليس فى قلبه سواه كالجنيد و اضرا به من الصوفية اهل الحقيقة

ومنهم من يدعو الى اللّٰه بالاعلام باداء الفرائض كالموذنين.

وهذه الاقسام مجموعة فى النبى عليه السلام متفرقة فى اصحابه ثم انتقلت منهم الى من بعد هم وهكذا الىٰ يوم القيامة لقوله فى الحديث الشريف لاتزال طائفة من امتى ظاهرين على الحق لايضرهم من خالفهم حتى ياتى امر اللّٰه وهم علىٰ ذٰلک ۱۲ صاوی

(جلالین: صفحہ ۳۹۹، حاشیہ ۱۴)

جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے مختلف قسم کے لوگ ہیں۔ مثلاً وہ لوگ جو دلائل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیتے ہیں، اور صحیح عقائد اور اسلامی نظریات اُمت تک پہنچاتے ہیں جیسے اشعریہ ماتریدیہ۔

مثلاً وہ لوگ جو اپنے تیر وتلوار سے اسلام کی سربلندی اور دین کی حفاظت کے لیے میدانوں میں برسرِ پیکار ہونے والے مجاہد ہیں۔

یا اسی طرح وہ آئمہ فقہ جو دین وشریعت کے احکام کو قرآن وسنت سے نکال کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

یا وہ اولیاء اللہ کہ جو تجلیاتِ الٰہیہ اور وارداتِ قلبیہ کے لیے دلوں کی صفائی اور تر وتازگی کرنے میں مشغول رہتے ہیں کہ انسان کا دل ایسا ہو جائے کہ اُس میں سوائے اللہ کے کوئی دوسرا باقی ہی نہ رہے۔ جیسا کہ جنید بغدادی وغیرہ۔

یا وہ لوگ جو فرائض کی ادائیگی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبح وشام اذان دے کر

لوگوں کو بلاتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کی بہت ساری شکلیں ہوئیں۔ اور یہی مطلب دعوت الی اللہ کا ہے۔ اس کو کسی ایک خاص طرزِ عمل اور طریقے کے ساتھ خاص کرنا سرار جہالت ہے۔

غرض یہ کہ یہ سب مختلف شکلیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے اور دین کے پہنچانے اور پھیلانے کی ہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ کس زمانے میں کون سی صورت دین پھیلانے کی زیادہ نافع اور مفید ہو، یہ حالات زمانہ کے لحاظ سے مختلف ہوتی رہتی ہیں۔

آج کل ہمارے اس زمانے میں الحمدللہ مدارسِ دینیہ اور مراکزِ اسلامیہ پاک و ہند کے خاص تدریس و طریقۂ تعلیم کو اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کی اشاعت وصیانت اور حفاظت و بقا کی ایک عظیم صورت بنایا ہے۔ اور اسی لیے دُشمنانِ اسلام ہمیشہ سے اور خاص طور پر آج کے زمانے میں ان مدارسِ اسلامیہ کو مٹانے اور ان کی ہیئت کذائیہ کو حکومت کے سرکاری تعلیمی اداروں اور (نام کی) اسلامی یورنیورسٹیوں کی شکل میں تبدیل کر دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ جب تک یہ مدارس اسلامیہ باقی ہیں تو قرآن وسنت کی دو روشنیاں مسلمانوں میں موجود رہیں گی۔ اور جب تک مسلمان ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہے گا اور ان کی روشنیوں سے اپنے آپ کو اور اپنے خاندانوں کو روشن کرتا رہے گا تو کفر وشرک کی ظلمتوں اور تاریکیوں کی یلغار سے وہ محفوظ رہے گا۔

چنانچہ ماضی اور حال اس حقیقت کی سچائی پر شاہد اور گواہ ہیں اور ظاہر ہے کہ خود اس دور کے اندر پورے عالم میں چلنے پھرنے والے تبلیغی احباب اور اُن کے مراکز جس شخصیت سے اپنا انتساب کرتے ہیں وہ بھی انہی مدارس سے تیار ہوئی۔ اور اُس نے بھی انہی مدارس کے مشائخ اور علماء کی صحبتوں سے فیض اُٹھایا اور اُن کے سینے میں بھی احیائے دین کی یہ تڑپ اور لگن یہیں سے پیدا ہوئی جس شخصیت کو ہم حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

تبلیغی جماعت

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳٦۳ھ) نے بڑے اخلاص اور دل سوزی سے عام مسلمانوں کی دین سے دوری کا جائزہ لیا اور شب وروز اس پس ماندہ قوم کی دینی اصلاح کی انتھک سعی کی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اب دنیا کے کونہ کونہ میں دین کی تبلیغ کا کام بہت عمدگی سے اور بڑے وسیع پیمانہ پر ہو رہا ہے اور دن بدن اس عمدہ کام میں ترقی ہو رہی ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ.

مدرّسین اور طلبہ جب تبلیغ کے فوائد دیکھتے اور سنتے ہیں تو ان کا دل بھی چاہتا ہے کہ ہم اس اَجرِ عظیم سے محروم نہ رہیں اور اپنی زندگیاں اس نیک کام کے لیے وقف کر دیں۔ اس نیک جذبہ کی جتنی قدر کی جائے، بہت ہی کم ہے لیکن اس سلسلہ میں علماء وطلبہ کو خوشی ہونی چاہیے کہ وہ بھی شریعت کی نگاہ میں مبلغ ہیں۔ ان کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ کلمات طیبات نہیں بھولنے چاہئیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(۱) ”اصل کام دعوت الی اللہ ہے اور اس کے محفوظ (قائم) رکھنے کے لیے مدارس کی ضرورت ہے۔“ (دینی دعوت وتبلیغ کے اصول و احکام، صفحہ ۲۸۹، طبع ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان)

(۲) ”تبلیغ کی اقسام: مدارس کا قیام اور درس وتدریس بھی تبلیغ ہے۔“ (ص ۲۹۵)

(۳) تبلیغ کی اقسام بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ”تیسری قسم ایک جماعت کو تبلیغ کے قابل بنانا۔ پھر تو درس وتدریس کا تبلیغ میں داخل ہونا بالکل ظاہر ہے۔“ (صفحہ ۲۹۵)

(۴) ”آپ لوگوں کا پڑھنا بھی تبلیغ ہے“۔ (ص ۲۹۹)

(۵) ”اگر آپ کی نیت یہ ہو کہ پڑھنے سے فارغ ہو کر امر بالمعروف کروں گا تو یہ پڑھنا بھی تبلیغ ہے۔“ (ص ۲۹۹)

(٦) ''ترجمہ وتفسیر وفقہ یا کوئی کتاب پڑھ کر سنانا بھی تبلیغ ہے۔'' (ص ۳۱۰)

(۷) ''پس مال خرچ کرنے والا بھی اوراحکام سنانے والا بھی مبلغ ہے اور مضامین لکھنے والا بھی مبلغ ہے۔'' (ص ۲۹٦) (دینی کتابیں لکھنے والوں کو خوش ہونا چاہیے کہ وہ گھر میں رہ کر بھی مبلغ ہیں)

(۸) تبلیغ میں غلو، تعلیم چھوڑ کر تبلیغ میں جانے کی ممانعت: مجھے اندیشہ ہے کہ کبھی ایسا نہ ہو کہ مدرسین وطلبہ پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیں بلکہ اس کو اپنے بزرگوں سے پوچھو کہ ہم کو کیا کرنا چاہیے۔'' (ص ۳۰۰)

ظاہر بات ہے کہ اہلِ حق علمائے کرام تبلیغ سے کبھی بھی نہیں روکیں گے، ہاں یہ ضرور کہیں گے کہ پڑھنے اور پڑھانے کے زمانہ میں خوب محنت سے پڑھو اور پڑھاؤ اور ایام تعطیلات میں، جن میں درس وتدریس کا کام نہیں، فارغ ہیں، وہ والدین، بیوی اور بچوں وغیرہ کے حقوق ادا کرتے ہوئے سہ روزہ، چلّہ اور کم وبیش وقت لگائیں اور یہ سمجھیں کہ باہر نکلنا تبلیغ کا صرف ایک شعبہ ہے تاکہ عوام کے نظریات اور مختلف علاقوں اور ملکوں کے حالات سے بھی آگاہ ہوسکیں اور جو جو کمزوریاں مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں، ان کو دیکھیں اور اصلاح کی فکر کریں اور اپنے اندر بھی دین کے اعمال خیر کی عادت ڈالیں اور لوگوں کو قبر اور آخرت کی حقیقت بتائیں اور دنیا کی ناپائیداری ان پر واضح کریں کہ یہ دنیا فانی اور عارضی ہے اور یہ سفر ہے منزل نہیں، اتنا ہی دل لگاؤ جتنے کی ضرورت ہے اور اس دنیا کی فنا کا نقش دلوں میں بٹھاؤ کہ کہاں دل لگا بیٹھے ہو، کوئی چیز بھی تو اپنی نہیں۔

ارے بلبل تو کیوں شاخ گلستان پر ہے جا بیٹھی
چمن اپنا نہ شاخ اپنی تو کس سے دل لگا بیٹھی

<u>حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ان سنہری نصیحتوں سے مدرّسین اور طلبہ کو خوش ہونا چاہیے کہ ''پڑھنے اور پڑھانے'' کے زمانہ میں اپنے گھروں اور مدرسوں میں رہتے ہوئے</u>

مبلغ ہیں بلکہ اصل مبلغ ہیں کہ وہ مبلغ ساز اور مبلغ گر ہیں اور ایامِ تعطیلات میں اگر درس و تدریس ان کے ذمہ نہ ہو تو ضرور وقت دیں۔ اور جو حضرات نئے نئے تبلیغی بنتے ہیں، ان کو بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ ارشادات پیش نظر رکھنے چاہئیں کہ جو علماء یا طلبہ درس وتدریس کے اوقات میں باہر نہیں نکلتے تو ان کو حقارت کی نگاہ سے ہرگز نہ دیکھیں، اس لیے کہ وہ بھی مبلغ بلکہ اصل مبلغ ہیں۔ اسلام میں افراط وتفریط اور غلو بُری چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو دین کی سمجھ، اپنے سینے میں اس کا درد اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

میں خودغرض نہیں میرے آنسو پرکھ کے دیکھ
فکر چمن ہے مجھ کو غم آشیاں نہیں

(کلمۂ حق: صفحہ ۳۲۶-۳۲۷)

میری مسلمانوں بالخصوص علماء سے ایک دردمندانہ اپیل

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا نصیحتوں کی روشنی میں احقر بڑے درد اور دُکھ اور رنج وغم اور صدمہ وتکلیف سے غیروں سے نہیں بلکہ اپنوں سے یہ شکایت پیش کرتا ہے اور اُن کے سامنے اپنا دُکھ درد رکھتا ہے کہ دعوت وتبلیغ کی ان تمام اقسام کو سمجھنے اور اس کی حقیقت کو جاننے پہچاننے کے بعد اور حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے اپنے مسلک دیوبند کے حقیقی ترجمان اور مجددانہ شان کے حامل عالم تسلیم کرنے کے باوجود آج ہمیں یہ مرض کہاں سے لگ گیا اور ہم میں یہ خرابی کہاں سے پیدا ہوگئی کہ موجودہ عمومی شکلوں میں دعوت وتبلیغ میں ہونے والا کام بس اس کو نبی کا کام کہا جاتا ہے اور اسی چلت پھرت کو مقصد بعثت انبیاء قرار دیا جاتا ہے۔

اور جیسے ہی قرآن میں کوئی آیت یا حدیث کی کتابوں میں کوئی حدیث لفظ دعوت اور تبلیغ کے ساتھ آجائے تو اُس کے مفہوم سے تمام شکلوں کو خارج کر کے بس اُس کی ایک

مخصوص متعین صورت مراد لی جاتی ہے اور عوام ہوں یا خواص اُسی کو اُس کا مصداق قرار دے کر یہ زور دیتے ہیں کہ جو اس میں لگنے والا ہے وہ دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ اور جو اس میں نہیں لگے گا بلکہ دین کے دوسرے کام تدریس و تصنیف وغیرہ میں (مذکورہ بالا شکلوں) لگ کر یہ خدمات انجام دے گا وہ نہ داعی ہے نہ مبلغ ہے۔

میں ساری دنیا کے عوام و خواص، اہلِ علم نظر کو اس مسئلے کی سنگینی اور اس کے بھیانک اور خطرناک نتائج سے آگاہ ہونے کی دعوت پیش کرتا ہوں اور صدقِ دل سے التجا کرتا ہوں کہ خدارا! اس معاملے کی حساسیت کو سمجھ کر آگے قدم بڑھائیں اور اُمت کے سامنے یہ واضح کریں کہ دعوت و تبلیغ ایسے الفاظ ہیں جن کے ضمن میں دین کے وہ تمام کام شامل ہیں جو اہلِ دین علماء و مشائخ مختلف شکلوں اور صورتوں میں انجام دے رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں ''ہی'' کو چھوڑ کر ''بھی'' پر آنا ضروری ہے اور دین کے تمام شعبوں میں کام کرنے والوں کو اپنا فریق و حریف سمجھنے کے بجائے رفیق سمجھنا عین دین و شریعت ہے اور اسلامی مزاج اعتدال اور امت وسط کے خاص امتیازات و کمالات میں سے ہے۔

قرآن و سنت اور کلام سلف میں دعوت عمومی معنی میں ہے

اور اس ضمن میں احقر یہ بھی عرض کرنا چاہے گا کہ میرے عزیز طالب علم کی پیش کی ہوئی اس مفصل و مدلل تحریر میں جو وہ میرے پاس لائے ہیں اس میں جتنے بھی اقوال خواہ وہ سینکڑوں ہوں یا ہزاروں ہوں اس مسئلے پر پیش کیے ہیں کہ دعوت و تبلیغ بھی جہاد ہے۔ تو اس سلسلے میں احقر ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہے کہ کیا اُن اقوالِ بزرگاں میں جس دعوت و تبلیغ کا ذکر ہوا ہے اُس سے بس اُس کی ایک خاص شکل مراد ہے

یا حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی اور حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ سے پہلے اُمت کے تمام اَسلاف کی مختلف شکلوں میں ہونے والی دعوت و تبلیغ مراد ہے۔

اگر اوّل ہے تو اُس کی ضرور کوئی دلیل پیش کی جانی چاہیے اور وہ دلیل بھی قرآن وسنت

سے اور سلف اور اپنے بزرگوں کے اسلاف سے ہونی چاہیے۔

اور اگر ایسا نہیں اور یقیناً نہیں، بلکہ اُس دعوت تبلیغ میں دعوت کی تمام مذکورہ بالا شکلیں مراد ہیں۔تو پھر میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا مدرسہ میں پڑھنے والا، پڑھانے والا، کتاب لکھنے والا، مناظرہ کرنے والا، اور مکتب میں پڑھانے والا اور پڑھنے والے اور مدرسوں کی خدمات انجام دینے والے وغیرہ وغیرہ یہ سب کے سب جہادِ اکبر کررہے ہیں اور یہ سارے مجاہدین ہیں اوران کے تمام اعمال، افعال کو جہاد کہا جائے گا۔تو پھر تو پوری دنیا میں دین کا کام کرنے والا کوئی بھی غیر مجاہد نہ رہے گا۔اور صحابہ کرام کے درمیان ہونے والی تقسیم مجاہدین اور قاعدین یہ تقسیم بالکل غلط ہوگی کیونکہ تمام صحابہ کرام دین سیکھنے سکھانے اور اس کے تقاضوں پر چلنے والے تھے۔اس لیے ظاہر ہے کہ اس سے متعلق جتنے بھی اقوال ہوں اُس میں صرف اَجر وثواب کی بات ہوسکتی ہے، اُسے جہاد کے صحیح مفہوم کا مصداق نہیں کہا جاسکتا، بلکہ یہ ایک طرح کی حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوری دامت برکاتہم کے قول کے مطابق تفسیر بالرائے ہوگی۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب ''تحفۃ الالمعی جلد۷، صفحہ ۱۰۵'' میں ابواب التفسیر کے شروع میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔

قتال سے پہلے دعوت کا حکم؟ اور کیا وہ یہی دعوت ہے؟

یاد رہے جہاد جس دعوت پر موقوف ہے، اس کے تین کلمات ہیں:

۱-اسلام قبول کرو۔

۲-نہیں تو پھر جزیہ ادا کرو۔

۳-نہیں تو پھر لڑنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔

اگر یہ دعوت پہلے سے پہنچی ہو تو پھر میدان میں دوبارہ دعوت دینا ضروری نہیں ہے، صرف مستحب ہے، فقہ کی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہے۔

(۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں اس وقت دعوتِ اسلام پوری دنیا کو پہنچی ہے، ہاں ہوسکتا ہے کہ چیچنیا کے علاقے خزر میں کوئی مشرک ہو جس کو دعوت نہ پہنچی ہو تو اس سے لڑنے کے لیے پہلے دعوت ضروری ہے۔

(۲) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دعوت کا مرحلہ گزر چکا ہے، اب جہاد کا مرحلہ ہے لہٰذا دعوت دینا کوئی ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''جامع ترمذی'' جلد ایک صفحہ ۲۸۲ پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی دعوت والی حدیث سے متعلق اس طرح لکھا ہے:

وقد ذهب اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وغیرهم إلٰی هذا وراو ان یدعوا قبل القتال وهو قول اسحاق بن ابراهیم قال ان تقدم أیهم فی الدعوة فحسن، یکون ذلک اهیب، وقال بعض اهل العلم لادعوة الیوم، وقال احمد رحمه اللّٰه لاعرف الیوم احدا یدعی، وقال الشافعی رحمه اللّٰه لایقاتل العدو حتی یدعوا الا ان یعجلوا عن ذالک فان لم یفعل فقد بلغتهم الدعوة. (ترمذی شریف کتاب السیر :صفحہ ۴۱۵)

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور کچھ دوسرے حضرات اس حدیث کے ظاہر کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ جنگ سے پہلے دعوت دینی چاہیے۔ اسحاق بن ابراہیم بھی انہی میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جنگ سے پہلے اگر دعوت دی جائے تو یہ بہتر ہوگا کیونکہ اس سے دُشمن پر رعب پڑے گا اور بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ آج کل دعوت کا مرحلہ نہیں ہے، صرف جنگ اور جہاد ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے آج کل کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جس کو دعوت دی جائے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دعوت دینے سے پہلے دُشمن سے جنگ نہ کی جائے۔ ہاں اگر دُشمن دعوت سے پہلے حملہ کر دے تو پھر دعوت نہیں اور اگر کسی نے بغیر

دعوت کے جنگ شروع کی تو حقیقت یہ ہے کہ کفار کو دعوت پہنچ چکی ہے۔

(۳) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفار کے جو ممالک مسلمانوں کے پڑوس میں ہیں، ان کو دعوت دینا ضروری نہیں ہے۔ ہاں جن تک دعوت نہیں پہنچی اور وہ ہمارے پڑوس میں نہیں ہیں، ان کو دعوت دینا ضروری ہے۔

(۴) ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ دعوتِ اسلام سے پہلے لڑنا جائز نہیں۔ اگر ایک دفعہ دعوت پہنچی تو دوبارہ میدان میں دعوت دینا مستحب ہے۔ احناف کے ہاں دعوت پہنچنے کی دو صورتیں ہیں۔

اوّل حقیقتاً یعنی خود مسلمان کفار کو زبان سے اسلام کی دعوت لڑنے سے پہلے دے دیں۔

دوم حکماً یعنی کسی بھی نشریاتی ذریعے سے اور کسی بھی شہرت سے اسلام کی آواز کفار تک پہنچ جائے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر واجب دعوت دیئے بغیر مسلمانوں نے کافروں کو قتل کیا تو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ایسا کیا تو اس سے کوئی دیت قصاص بھی واجب نہیں ہوتا۔ الکوکب الدری میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"وان ھجموا علینا سقطت الدعوۃ"

یعنی اگر کفار مسلمانوں پر یورش کر کے ہلہ بول دیں تو دعوت ساقط ہو جائے گی، یعنی دفاعی جنگ میں دعوت نہیں ہے، آج کل دعوت و تبلیغ کے نام سے جو اصلاحی کام ہو رہا ہے، یہ صرف مسلمانوں تک محدود ہے، اس کا جہاد والی دعوت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ جہاد اس پر موقوف ہے کیونکہ جہاد والی دعوت کفار کے ساتھ خاص ہے کہ پہلے کلمہ پڑھنے کی دعوت ہے، پھر جزیہ کی دعوت ہے اور پھر لڑنے کی دعوت ہے، مسلمانوں میں کہاں ممکن ہے؟

(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے میدان میں: صفحہ ۱۸-۲۰)

ہر ہر فرد کو دعوت دینا اور اس کا حکم

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں کہ جمہور فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ اب دنیا کے تمام خطوں میں اسلام کی دعوت عام پہنچ چکی ہے کیونکہ دنیا کا کوئی آدمی اب ایسا نہیں رہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین سے بحیثیت اجمالی واقف نہ ہو لہٰذا اب کسی بھی جگہ جہاد سے پہلے دعوت دینا شرط نہیں البتہ مستحب ہے۔ لہٰذا دعوت دیئے بغیر بھی اگر جہاد کیا جائیگا تو وہ جائز ہوگا، ناجائز نہیں ہوگا۔

دعوت فرض دنیا میں ہر ہر فرد کو پہنچ چکی ہے

اس سے معلوم ہوا کہ جو دعوت مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے وہ پہنچ چکی ہے۔ وہ یہ کہ غیر مسلموں کو یہ پتہ لگ جائے کہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے اور آپ نے تو حید کی دعوت دی اور آپ دین اسلام لے کر تشریف لائے تھے۔ اگر اتنی بات بھی اجمالی طور پر پہنچ گئی ہے تو دعوت کا فریضہ ادا ہوگیا۔ اب ہر ہر فرد کو الگ الگ جا کر دعوت دینا یہ کوئی فرض نہیں۔ آج کل یہ تصور مشکل ہے کہ کوئی فرد ایسا ہو جس کو اسلام کے بارے میں اجمالی دعوت نہ پہنچی ہو۔ حتیٰ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانے میں بھی ایسا فرد نہیں تھا، اس لیے کہ یہ بات تو سب کو معلوم ہوگئی تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور آپ توحید کی دعوت دیتے ہیں۔ اتنی بات تو سب جانتے تھے اس لیے وہ لوگ معذور نہیں سمجھے جائیں گے۔

تبلیغی جماعت کی بے اعتدالیوں میں سے ایک بے اعتدالی یہ بھی ہے کہ ایک ایک فرد کو الگ جا کر دعوت دینا فرض سمجھا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اگر تم نے جا کر دعوت نہیں دی تو قیامت کے دن کفار تمہارے گریبان پکڑ لیں گے۔ حالانکہ ایک ایک فرد کو الگ الگ جا کر دعوت دینا فرض نہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اگر ہم نے یہ کام نہیں کیا تو کافر قیامت کے دن ہمارا گریبان پکڑیں گے کہ تم نے ہمیں کیوں دعوت نہیں دی تھی۔ یہ بالکل غلط ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تقریر کے جوش میں کسی نے یہ بات کہہ دی ہو لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ (تقریر ترمذی: جلد۲، صفحہ۲۱۹)

ایک تاریخی سچائی

احقر کی نگاہ میں اسلام کی چودہ سوسالہ تاریخ میں جماعت دعوت وتبلیغ کی خدمات اپنی مثال آپ ہیں، مگر یہ یادرکھنا چاہیے کہ خود بانیٔ جماعت حضرت مولانا الیاس اور حضرت جی ثانی وثالث مدارس وخانقاہوں کی دین ہیں۔(از: مؤلف)

ایک نا قابل انکار اجماعی حقیقت

امت مسلمہ کے تمام دینی طبقے خواہ متکلمین ہوں یا مجاہدین، مدرسین ہوں یا مصنفین، فقہاء وصوفیا ہوں یا محدثین سب کے سب مبلغین اور داعی ہیں، بلکہ بقول حضرت تھانوی مدرسین صرف مبلغین نہیں بلکہ مبلغین ساز ہیں۔(ص۱۲۴-۱۲۸)

شارح علوم ولی اللہی شیخ الحدیث و صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوری کاارشاد

تفسیر بالرای کی ایک نظیر تبلیغی جماعت کا معاملہ ہے کہ وہ لوگ قرآن وحدیث میں جہاد کے تعلق سے جو کچھ آیا ہے اس کو اپنے کام پر فٹ کرتے ہیں، یہ جہاد کی تفسیر بالرای ہے۔(تحفۃ الالمعی ۷/۱۰۵)

عصر حاضر کے شیخ الاسلام جناب حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم کاارشاد

یہ بات احقر کی فہم ناقص سے بالاتر ہے کہ تبلیغ کے لیے واقعات صحابہؓ سے استدلال کیا جاتا ہے لیکن عملاً جہاد کے بارے میں طرز عمل یہ ہے کہ گویا جہاد کوئی شرعی فریضہ ہی نہیں ہے بلکہ اسے عملاً منسوخ سمجھا جاتا ہے اور جہاد کی بعض اوقات مخالفت بھی کی جاتی ہے۔

(فتاوی عثمانی: جلد۱، صفحہ۲۷۰)

ذراغور کیجئے اور سوچئے

باتفاق جمیع امت جہاد مدنی دور کا حکم ہے اگر اتنا ہی عموم ہے تو پھر اس کو مکی دور کا حکم امت نے کیوں نہیں کہا؟

کیا کسی کو اس سے انکار ہوسکتا ہے؟

کہ احکام یعنی مسائل وفضائل اور وعدوں، وعیدوں کا مدار معنی اصطلاحی شرعی ہوا کرتے ہیں، نہ کہ لغوی ومجازی۔